ماہنامہ

اشراق

لاہور

اگست ۲۰۱۷ء

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

''...عرب جاہلی میں متکبرین کا یہ عام طریقہ تھا کہ لمبا قمیص پہنیں گے، پگڑی کا شملہ کمر سے نیچے تک لٹکا ہوا ہوگا، تہ بند ٹخنوں سے اِس قدر نیچے ہوگا کہ گویا آدھا زمین پر گھسٹ رہا ہے۔ روایتوں میں 'اسبال' کا لفظ اِسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ... لباس کی اِسی وضع پر وعید سنائی ہے۔ اور اِس لیے سنائی ہے کہ تکبر من جملہ کبائر ہے اور متکبرین کے بارے میں قرآن نے تصریح کر دی ہے کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو سکتا ہے، لیکن کوئی متکبر جنت میں نہیں جا سکتا۔''

—— معارف نبوی

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

المورد

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

المورد ملت اسلامیہ کی عظیم علمی روایات کا امین ایک منفرد ادارہ ہے۔ پندرھویں صدی ہجری کی ابتدا میں* یہ ادارہ اِس احساس کی بنا پر قائم کیا گیا ہے کہ تفقہ فی الدین کا عمل ملت میں صحیح نہج پر قائم نہیں رہا۔ فرقہ دارانہ تعصّبات اور سیاست کی حریفانہ کشمکش سے الگ رہ کر خالص قرآن و سنت کی بنیاد پر دین حق کی دعوت مسلمانوں کے لیے اجنبی ہو چکی ہے۔ قرآن مجید جو اِس دین کی بنیاد ہے، محض حفظ و تلاوت کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ دینی مدرسوں میں وہ علوم مقصود بالذات بن گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ قرآن مجید تک پہنچنے کا وسیلہ ہو سکتے تھے۔ حدیث، قرآن و سنت میں اپنی اساسات سے بے تعلق کر دی گئی ہے اور سارا زور کسی خاص مکتب فکر کے اصول و فروع اور دوسروں کے مقابلے میں اُن کی برتری ثابت کرنے پر ہے۔

المورد کے نام سے یہ ادارہ اِس صورت حال کی اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِس ادارے کا بنیادی مقصد دین کے صحیح فکر کی تحقیق و تنقید، تمام ممکن ذرائع سے وسیع پیمانے پر اُس کی نشر و اشاعت اور اُس کے مطابق لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہے۔

اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، اُس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ عالمی سطح پر تذکیر بالقرآن کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ قرآن و سنت کے مطابق خدا کی شریعت اور ایمان و اخلاق کی تعلیم دی جائے۔

۳۔ دین کے صحیح الفکر علما اور محققین کو فیلو کی حیثیت سے ادارے کے ساتھ متعلق کیا جائے اور اُن کے علمی، تحقیقی اور دعوتی کاموں کے لیے اُنھیں ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔

۴۔ لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ جہاں جہاں ممکن ہے:

ا۔ اسلامی علوم کی ایسی درس گاہیں قائم کریں جن کا مقصد دین کے صحیح الفکر علما اور محققین تیار کرنا ہو۔

ب۔ ایف اے، ایف ایس سی اور اے لیول تک نہایت اعلیٰ معیار کے اسکول قائم کریں جن میں تعلیم و تعلم کے ساتھ طالب علموں کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشو و نما اور اُن کی دینی اور تہذیبی تربیت بھی پیش نظر ہو۔

ج۔ عام اسکولوں کے طلبہ کی دینی تعلیم کے لیے ایسے ہفتہ وار مدارس قائم کریں جن میں قرآن کی دعوت خود قرآن ہی کے ذریعے سے طالب علموں کے ذہن میں اِس طرح راسخ کر دی جائے کہ بعد کے زمانوں میں وہ پورے شرح صدر کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہ سکیں۔

د۔ ایسی خانقاہیں قائم کریں جہاں لوگ وقتاً فوقتاً اپنے دنیوی معمولات کو چھوڑ کر آئیں، علما و صالحین کی صحبت سے مستفید ہوں، اُن سے دین سیکھیں اور چند روز کے لیے یک سوئی کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہ کر اپنے لیے پاکیزگی قلب و نظر کا اہتمام کریں۔

---

* شعبان ۱۴۰۳ھ بمطابق جون ۱۹۸۳ء۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ماہنامہ

اشراق

لاہور

جلد۲۹ شمارہ۸ اگست ۲۰۱۷ء ذوالقعدہ/ ذوالحجہ ۱۴۳۸ھ

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

مدیر

سید منظور الحسن

فہرست

شذرات

قرآن مجید اور مصوری — سید منظور الحسن — ۴

قرآنیات

البیان: الکہف ۱۸: ۵۰-۵۹ (۴) — جاوید احمد غامدی — ۱۴

معارف نبوی

دوزخ کے اعمال (۴) — جاوید احمد غامدی/ محمد حسن الیاس — ۱۹

اگلوں کی پیروی — جاوید احمد غامدی/ محمد عامر گزدر — ۲۹

سیر و سوانح

حضرت عبداللہ بن مظعون رضی اللہ عنہ — محمد وسیم اختر مفتی — ۳۹

مقالات

مسئلۂ شر اور انکارِ خدا — ساجد حمید — ۴۴

قانونِ اتمامِ حجت اور اس کے اطلاقات نمایاں اعتراضات کا جائزہ (۴) — ڈاکٹر عرفان شہزاد — ۵۹

یسئلون

یسئلون — رضوان اللہ — ۸۰

فی شمارہ 30روپے

سالانہ 300روپے

رجسٹرڈ 700روپے

(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر)

بیرون ملک

سالانہ 30ڈالر

www.al-mawrid.org

www.javedahmadghamidi.com

Post Box 5185, Lahore, Pakistan.

www.ghamidi.net, www.javedahmadghamidi.com

https://www.facebook.com/javedahmadghamidi

http://www.javedahmadghamidi.com/index.php/ishraq

شذرات

سید منظور الحسن

قرآن مجید اور مصوری

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قرآن مجید میں سورۂ سبا کی آیات ۱۲-۱۳ میں اُن انعامات کا ذکر ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سیدنا سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے۔ ان میں سے ایک انعام یہ بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض جنات کو سیدنا سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا تھا۔ وہ آپ کے تابع فرمان تھے اور آپ کی خواہش کے مطابق مختلف خدمات انجام دیتے تھے۔ آپ نے انھیں جن کاموں پر مامور فرمایا، ان میں سے ایک کام یہ بھی تھا کہ وہ آپ کے لیے تماثیل، یعنی تصویریں اور مجسمے بناتے تھے[۱]۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ. يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ.

’’اور ہم نے سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا۔ اس کا جانا بھی مہینا بھر کا ہوتا اور آنا بھی مہینا بھر کا ہوتا اور ہم نے اس کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا اور جنات میں سے بھی اس کے لیے مسخر کر دیے جو اس کے رب کے حکم سے اس کے حضور میں خدمت کرتے (اور ان کے لیے ہمارا حکم یہ تھا کہ) جو ان میں سے ہمارے حکم کی سرتابی کرے گا تو ہم اس کو دوزخ کا عذاب چکھائیں گے۔ وہ اس کے لیے بناتے جو وہ چاہتا: محرابیں،

۱؎ ’تماثیل‘ ’تمثال‘ کی جمع ہے۔ یہ لفظ حیوانات اور جمادات و نباتات کی صورت میں تمام مخلوقات کی تصویروں اور مجسموں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

تماثیل، حوضوں کے مانند لگن اور لنگر انداز دیگیں اے
آل داؤد، شکر گزاری کے ساتھ عمل کرو اور میرے بندوں
میں شکر گزار تھوڑے ہی ہیں۔‘‘

سورۂ سبا کی ان آیات سے تصاویر اور مصوری کے بارے میں حسب ذیل باتوں کی وضاحت ہوتی ہے:

اولاً، اللہ کے ایک برگزیدہ پیغمبر نے اپنے تابع فرمان جنوں سے تصویریں اور مجسمے بنوائے۔ پیغمبر چونکہ اللہ کی براہ راست رہنمائی میں زندگی بسر کرتا ہے، اس لیے یہ امر یقینی ہے کہ اس سے شعوری طور پر کوئی غیر مباح عمل صادر نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کا یہ عمل تصویر کی اباحت پر دلیل قاطع ہے۔

ثانیاً، سیدنا سلیمان علیہ السلام کے اس عمل کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے۔ یہ کتاب برحق ہے۔ یہ اگر کسی واقعے کی تصدیق کر دے تو اس کے بارے میں شک وشبہے کا ہر احتمال ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کا مذکورہ واقعے کو بیان کر دینا ہی اس کی صحت کی دلیل ہے۔ مزید برآں قرآن کے اس ذکر سے ان تفصیلات کی بھی تصدیق ہوتی ہے جو سیدنا سلیمان علیہ السلام کے تعمیر کردہ ہیکل اور محل میں تصویروں اور مجسموں کے حوالے سے تورات میں بیان ہوئی ہیں[۲]۔

ثالثاً، ان آیات میں تماثیل کے ساتھ یکساں طور پر محرابیں، حوضوں کے مانند لگن اور لنگر انداز دیگیں بنانے کا ذکر ہوا ہے۔ اس یکساں ذکر کی وجہ سے مذکورہ چار چیزوں پر باہم مختلف حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ یعنی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں فلاں چیز جائز ہے اور فلاں ناجائز ہے۔ جواز کا حکم لگانا ہے تو سبھی پر لگے گا اور عدم جواز کے حکم کا اطلاق کرنا ہے تو سبھی پر ہوگا۔ چنانچہ یہاں اگر محرابوں، لگنوں اور دیگوں کے جواز کا حکم مستنبط ہوتا ہے تو تماثیل کو اس حکم سے ہرگز خارج نہیں کیا جا سکتا۔

رابعاً، تماثیل کا لفظ حیوان اور غیر حیوان، دونوں کی تصویروں اور مجسموں پر محیط ہے۔ اس مفہوم کی بنا پر یہ بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ جب یہ لفظ مجرد طور پر استعمال ہو تو اس کے مفہوم سے حیوانات کی تصویروں کو ہرگز خارج نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں یہ لفظ کسی تخصیص کے بغیر استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ قرین قیاس یہی ہے کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے حیوان اور غیر حیوان، دونوں طرح کی مخلوقات کی تصویریں اور مجسمے بنوائے تھے۔

خامساً، آیت کے اختتام پر ’’اے آل داؤد، شکر گزاری کے ساتھ عمل کرو‘‘ کے الفاظ سے واضح ہے کہ مذکورہ چیزیں انعامات ہی کی نوعیت کی تھیں۔ اللہ کی شکر گزاری اس کے فضل وانعام ہی سے مستلزم ہے۔ مولانا امین احسن

۲؎ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تصویریں اور مجسمے حیوان اور غیر حیوان، دونوں طرح کی مخلوقات کے تھے اور سیدنا سلیمان علیہ السلام نے انھیں ہیکل اور اپنے محل کی تعمیر کے موقع پر بنوایا تھا (سلاطین ۱۸: ۳۰، ۲۷: ۳۰)۔

اصلاحی آیت کے ان الفاظ کے تحت لکھتے ہیں:

''یہ اس فضل و انعام کا حق بیان ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر فرمایا۔ ان کو ہدایت ہوئی کہ اس علم و سائنس اور ان ارضی و سماوی برکات کو پا کر بہک نہ جانا، بلکہ اپنے رب کی شکر گزاری کے ساتھ ہر چیز اس کے صحیح محل میں برتنا اور ہر قدم صحیح سمت میں اٹھانا۔ یہ نصیحت یوں تو اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت زبان حال سے بھی کرتی ہے، لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام پیغمبر تھے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے بھی ان کو ہدایت فرمائی۔''

(تدبر قرآن ۶/ ۳۰۵)

سادساً، قرآن مجید نے اس موقع پر تماثیل کی حرمت و شناعت کا کوئی اشارہ نہیں دیا۔ چنانچہ یہ راے صحیح نہیں ہے کہ یہ سابقہ شریعتوں میں جائز اور اسلامی شریعت میں ناجائز ہیں۔ اگر یہ بات درست ہوتی تو قرآن اسی مقام پر یا کسی دوسرے مقام پر شریعت کی اس تبدیلی کو ضرور بیان کرتا۔

قرآن مجید میں ان تصاویر و تماثیل کے بارے میں سخت وعید آئی ہے جو مشرکانہ مقاصد کے تحت بنائی جاتی تھیں۔ اس کے مختلف مندرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام، سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جن اقوام میں مبعوث ہوئے، وہ شرک کو ایک باقاعدہ مذہب کے طور پر اپنائے ہوئے تھیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان پیغمبروں کو یہ ہدایت فرمائی کہ وہ انھیں اس ضلالت سے نکالیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین اس معاملے میں پچھلی اقوام سے بھی آگے بڑھے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنے لیے نہ صرف نئی تماثیل وضع کر لی تھیں، بلکہ قوم نوح کی قدیم ترین تماثیل کو بھی مرجع عبادت بنا لیا تھا۔ انتہا یہ تھی کہ بیت اللہ جیسی روے زمین کی سب سے مقدس جگہ کو انھوں نے ان مشرکانہ تماثیل سے بھر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے شرک کی بیخ کنی کا اعلان کیا اور مختلف پہلوؤں سے تماثیل کی بے وقعتی اور شناعت کو واضح کیا۔ اس ضمن میں قرآن کے جملہ مقامات سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ تماثیل کی یہ شناعت سرتاسر شرک کے حوالے سے ہے۔ گویا اس کتاب الٰہی نے تماثیل کو نہیں، بلکہ ان کے ساتھ وابستہ ہونے والے مشرکانہ مراسم کو شنیع قرار دیا ہے۔ اس ضمن کے چند نمایاں مقامات حسب ذیل ہیں:

سورۂ انبیا میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ. اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ. قَالُوْا وَجَدْنَآ

''اور اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو اس کی ہدایت فرمائی اور ہم اس سے خوب باخبر تھے۔ جب کہ اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ یہ کیا

اٰبَآءَ نَا لَهَا عٰبِدِیْنَ. قَالَ لَقَدْ کُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ... قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُکُمْ شَیْئًا وَّلَا یَضُرُّکُمْ. اُفٍّ لَّکُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. (الانبیاء ۲۱: ۵۱-۶۷)

مورتیں ہیں جن پر تم دھرنا دیے بیٹھے ہو! انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو انھی کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔ اس نے کہا: تم بھی اور تمھارے باپ دادا بھی ایک کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا رہے ہو... اس نے کہا: کیا خدا کے ماسوا تم ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہو جو تم کو نہ کوئی نفع پہنچا سکیں نہ کوئی ضرر! تف ہے تم پر بھی اور ان چیزوں پر بھی جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو! کیا تم لوگ سمجھتے نہیں!''

یہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ مکالمہ ہے۔ یہاں تماثیل سے مراد وہ مجسمے اور تصویریں ہیں جن کی پرستش آپ کے والد اور آپ کے خاندان اور قوم کے لوگ کرتے تھے۔ 'مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰکِفُوْنَ. قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا لَهَا عٰبِدِیْنَ' (یہ کیا مورتیں ہیں جن پر تم دھرنا دیے بیٹھے ہو! انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو انھی کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے) کے الفاظ سے واضح ہے کہ آپ کی قوم اور اس کی گذشتہ نسلیں ان تماثیل کو معبود سمجھتی اور ان کی عبادت کرتی تھیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تماثیل کی پرستش کو ایک کھلی ہوئی گمراہی قرار دیا اور ان کے قلب و ذہن کو جھنجوڑتے ہوئے فرمایا کہ تم پر افسوس ہے کہ تم ان پتھروں کی عبادت کرتے ہو جو نہ نفع دینے والے ہیں اور نہ نقصان پہنچانے والے ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ یہ آیات نہایت صراحت کے ساتھ اس بات کو بیان کر رہی ہیں کہ 'هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ' سے مراد اللہ کے ساتھ شریک ٹھیرائے جانے والے بت اور ان کی شبیہیں اور تصویریں ہیں۔ سورۂ مریم میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا وہ خطاب نقل ہوا ہے جو آپ نے اپنے والد سے فرمایا تھا۔ اس سے بھی اسی بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ اللہ کے اس برگزیدہ پیغمبر نے تماثیل کو نہیں، بلکہ ان کی پرستش کو شنیع ٹھیرایا۔ ارشاد فرمایا ہے:

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْئًا... یٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا. (مریم ۱۹: ۴۲-۴۴)

''یاد کرو جب اس نے اپنے باپ سے کہا: اے میرے باپ، آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں، جو نہ سنتی ہیں، نہ دیکھتی ہیں اور نہ کچھ آپ کے کام آنے والی ہیں۔... اے میرے باپ، شیطان کی بندگی نہ کیجیے، شیطان خدائے رحمان کا بڑا نافرمان ہے۔''

مولانا امین احسن اصلاحی ان آیات کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ آخر اپنے ہی ہاتھوں کی گھڑی ہوئی ان پتھر کی مورتوں کو معبود مان کر ان کی پوجا کرنے کا کیا تک ہے؟ کسی کو معبود بنا لینا کوئی شوق اور تفریح کی چیز نہیں ہے۔ اس کا تعلق تو انسان کی سب سے بڑی احتیاج سے ہے۔ انسان خدا کو اس لیے مانتا اور اس کی عبادت کرتا ہے کہ وہ اس کی دعا و فریاد کو سنتا، اس کے دکھ درد کو دیکھتا اور اس کی ہر مشکل میں اس کی دست گیری کرتا ہے۔ آخر یہ آپ کے اپنے ہی ہاتھوں کی گھڑی ہوئی مورتیں جو نہ سنتی ہیں، نہ دیکھتی ہیں، نہ آپ کے کچھ کام آ سکتی ہیں، کس مرض کی دوا ہیں کہ آپ ان کے آگے ڈنڈوت کرتے ہیں۔ یہ گویا شرک کے بدیہی باطل ہونے کی دلیل ہے کہ اس کے باطن سے قطع نظر اس کا ظاہر ہی شہادت دیتا ہے کہ یہ کھلی ہوئی سفاہت اور عقل و فطرت سے بالکل بے جوڑ چیز ہے۔...شیطان کو سب سے زیادہ کد اور ضد، جیسا کہ قصۂ آدم و ابلیس سے واضح ہے، توحید کی صراط مستقیم ہی سے ہے۔ اس نے یہ قسم کھا رکھی ہے کہ وہ ذریت آدم کو اس صراط مستقیم سے برگشتہ کرنے کے لیے اپنا پورا زور لگا دے گا اور ان کو شرک میں مبتلا کر کے چھوڑے گا۔ خداے رحمان کے ایسے کھلے ہوئے باغی کی ایسی وفادارانہ اطاعت در حقیقت اس کی عبادت ہے اور بدقسمت ہے وہ انسان جو خدا کو چھوڑ کر شیطان کی عبادت کرے۔'' (تدبر قرآن ۴/ ۶۵۸)

اس تفصیل سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا منفی تبصرہ ان تماثیل کے بارے میں ہے جنھیں ان کی قوم نے معبود بنا رکھا تھا اور اس بنا پر وہ شرک کا بدترین مظہر تھیں۔ چنانچہ آپ کا اظہار براءت در حقیقت تماثیل سے نہیں، بلکہ شرک سے ہے۔ سورۂ انعام میں جہاں یہ مکالمہ نقل ہوا ہے، وہاں آپ کا یہ فرمان بھی مذکور ہے کہ: میں ان چیزوں سے بری ہوں جن کو تم شریک ٹھیراتے ہو۔ اور میں تو مشرکوں میں سے نہیں ہوں:

قَالَ يٰقَوۡمِ اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ. اِنِّیۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِيۡفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ. (الانعام ۶: ۷۸-۷۹)

''اس نے (اپنی قوم سے) کہا کہ میری قوم کے لوگو، میں ان چیزوں سے بری ہوں جن کو تم شریک ٹھیراتے ہو۔ میں نے تو اپنا رخ بالکل یک سو ہو کر اس کی طرف کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں تو مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''

سورۂ صافات میں بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعے کا حوالہ آیا ہے۔ اس موقع پر بھی تماثیل کی پرستش کرنے کی شناعت بیان کی گئی ہے:

قَالَ اَتَعۡبُدُوۡنَ مَا تَنۡحِتُوۡنَ. وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ

''اس نے کہا: کیا تم لوگ اپنے ہی ہاتھوں گھڑی ہوئی

وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ. (۳۷: ۹۵-۹۶)

چیزوں کو پوجتے ہو! اللہ ہی نے پیدا کیا ہے تم کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جن کو تم بناتے ہو۔‘‘

مولانا امین احسن اصلاحی ان آیات کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

’’انھوں نے فرمایا کہ شامت زدو! تم اپنے ہی ہاتھوں کی گھڑی ہوئی، لکڑی اور پتھر کی مورتوں کی پوجا کرتے ہو! اللہ کی پوجا تو اس لیے کی جاتی ہے کہ اس نے ہم کو پیدا کیا ہے، لیکن تمھاری عقل اس طرح ماری گئی ہے کہ تم جن کو خود اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہو، انھی کی پوجا کرتے ہو۔ گویا اپنے خالقوں کے خالق تم خود ہو۔ یاد رکھو کہ اللہ ہی ہے جس نے تم کو بھی پیدا کیا ہے اور ان لکڑیوں اور پتھروں کو بھی پیدا کیا ہے جن سے تم اپنے معبودوں کو تراشتے ہو اور ان جنات و ملائکہ کو بھی پیدا کیا ہے جن کے تم پیکر تراشتے ہو۔‘‘ (تدبر قرآن ۶/ ۴۸۲)

سورۂ نجم (۵۳) کی آیات ۱۹-۲۳ اور ۲۷-۲۹ میں لات، منات اور عزیٰ کی تماثیل کے حوالے سے بیان ہوا ہے:

اَفَرَءَيۡتُمُ اللّٰتَ وَالۡعُزّٰى. وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الۡاُخۡرٰى. اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الۡاُنۡثٰى. تِلۡكَ اِذًا قِسۡمَةٌ ضِيۡزٰى. اِنۡ هِىَ اِلَّاۤ اَسۡمَآءٌ سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهۡوَى الۡاَنۡفُسُ وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ مِّنۡ رَّبِّهِمُ الۡهُدٰى... اِنَّ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوۡنَ الۡمَلٰٓئِكَةَ تَسۡمِيَةَ الۡاُنۡثٰى. وَمَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغۡنِىۡ مِنَ الۡحَقِّ شَيۡئًا. فَاَعۡرِضۡ عَنۡ مَّنۡ تَوَلّٰى عَنۡ ذِكۡرِنَا وَلَمۡ يُرِدۡ اِلَّا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا.

’’بھلا، کبھی غور کیا ہے لات اور عزیٰ اور منات پر جو تیسری اور درجہ کے اعتبار سے دوسری ہے! تم اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہو اور اس کے لیے بیٹیاں! یہ تو بڑی ہی بھونڈی تقسیم ہے! یہ محض نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ چھوڑے ہیں، اللہ نے ان کے حق میں کوئی دلیل نہیں اتاری۔ یہ لوگ محض گمان اور نفس کی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں۔ حالاں کہ ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے نہایت واضح ہدایت آ چکی ہے... جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے انھی نے فرشتوں کے نام عورتوں کے نام پر رکھ چھوڑے ہیں۔ حالاں کہ اس باب میں ان کو کوئی علم نہیں۔ وہ محض گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور گمان کسی درجے میں بھی حق کا بدل نہیں۔ تو تم ان لوگوں سے اعراض کرو جنھوں نے ہماری یاد دہانی سے اعراض کیا اور جن کا مطلوب دنیا کی زندگی ہی ہے۔‘‘

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

لات، منات اور عزیٰ قریش کی مقبول ترین تماثیل تھیں۔ یہ عرب میں مختلف مقامات پر نصب تھیں۔ اہل عرب ان کی پوجا کرتے، ان کے سامنے نذر و نیاز پیش کرتے اور ان کے تقرب کے لیے انھی کی ساخت پر مجسمے تراش کر اور انھی کی شبیہ پر تصویریں بنا کر اپنے گھروں میں رکھتے تھے۔ مشرکین عرب کے نزدیک یہ درحقیقت فرشتوں کے بت تھے۔ فرشتے ان کے خیال میں اللہ کی بیٹیاں تھے۔ ان کے بارے میں وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اگر وہ ان کی عبادت کریں گے تو یہ آخرت میں اللہ کے حضور میں ان کی سفارش کریں گی۔ قرآن مجید نے ان کی ان خرافات کو ہر لحاظ سے ناجائز قرار دیا اور واضح کیا کہ ان تماثیل کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اور یہ لات، منات، عزیٰ اور دوسرے بت تو محض نام ہیں جو ان کے باپ دادا نے رکھ چھوڑے ہیں۔ ان کی پرستش کرنے والے درحقیقت اپنے مشرکانہ مذہب کی اساس بے بنیاد گمانوں پر قائم کیے ہوئے ہیں جن کی حق کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی ان تماثیل کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ تینوں فرشتوں کے بت تھے۔ فرشتوں کی نسبت مشرکین عرب کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی چہیتی بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی ہر بات مانتا ہے اس وجہ سے وہ اپنے پجاریوں کو اس دنیا میں بھی رزق و اولاد دلواتی ہیں اور اگر آخرت ہوئی تو وہاں بھی یہ ان کو بخشوا لیں گی۔ خاص طور پر ان تینوں دیویوں کا ان کے ہاں بڑا مرتبہ تھا۔ ان کی سفارش بے خطا سمجھی جاتی تھی۔ ان کی نسبت ان کا عقیدہ تھا کہ 'تلك الغرانيق العلى و ان شفاعتهن لا ترتجى' ''یہ بڑے مرتبے کی دیویاں ہیں اور ان کی شفاعت کی قبولیت کی پوری امید ہے۔''

اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے کہ قبائل عرب میں سے کون ان میں سے کس کو پوجتا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ کسی خاص قبیلہ کو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ کچھ زیادہ خصوصیت رہی ہو، لیکن ان کی عظمت تمام مشرکین کے نزدیک یکساں مسلم تھی۔ قریش نے سارے عرب پر اپنی سیاسی و مذہبی پیشوائی کی دھاک جمائے رکھنے کے لیے تمام دیویوں دیوتاؤں کی مورتیاں خانۂ کعبہ میں بھی جمع کر چھوڑی تھیں۔ ان تینوں دیویوں کے پجاریوں کی تعداد چونکہ سارے عرب میں سب سے زیادہ تھی، اس وجہ سے قریش بھی ان کی سب سے زیادہ تعظیم کرتے تھے۔

قرآن کے بیان سے یہ بات بھی واضح ہے کہ یہ تینوں دیویاں اس اعتبار سے اگرچہ ایک ہی زمرہ سے تعلق رکھنے والی تھیں کہ یہ سب عالی مرتبہ خیال کی جاتی تھیں، تاہم ان میں باہم فرق مراتب بھی تھا۔ لات اور عزیٰ کا مرتبہ سب سے اونچا تھا۔ منات اگرچہ زمرہ میں انھی کے اندر شمار ہوتی تھی، لیکن مرتبے کے لحاظ سے یہ ان سے فروتر تھی۔''

(تدبر قرآن ۸/۶۱)

ان دیویوں کے ساتھ عربوں کے تعلق کو بیان کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی نے یہ تبصرہ کیا ہے کہ یہ جزاو سزا

سے بچنے کا آسان راستہ ہے جو انھوں نے اپنے تئیں دریافت کر رکھا تھا۔ لکھتے ہیں:

''ان دیویوں کے حق میں ظاہر ہے کہ کوئی عقلی یا نقلی دلیل موجود نہیں تھی، لیکن جزا اور سزا کی ہر خلش سے مامون کر دینے کے لیے شیطان نے ان مشرکین کو یہ فریب دیا کہ فرشتے خدا کی چہیتی بیٹیاں ہیں۔ خاص طور پر اس کی فلاں اور فلاں بیٹیاں اس کو بہت محبوب ہیں۔ وہ ان کی ہر بات سنتا اور مانتا ہے۔ اس کے حضور میں ان کی ہر سفارش تیر بہدف ہے، اس وجہ سے جو ان کی جے پکاریں گے اور ان کے تھانوں پر قربانی پیش کر دیا کریں گے، ان کو وہ خدا سے سفارش کر کے، اس دنیا میں بھی رزق و اولاد سے بہرہ مند کرائیں گی اور اگر آخرت کا کوئی مرحلہ پیش آیا تو وہاں بھی ان کو بڑے درجے دلوائیں گی۔ دیکھیے دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح کی کیسی آسان راہ نکل آئی اور آخرت کے حساب و کتاب اور جزا و سزا کا ہر خطرہ کیسی آسانی سے دور ہو گیا۔'' (تدبر قرآن ۸/ ۶۳)

سورۂ اعراف کی آیات ۱۹۰-۱۹۸ میں ان تماثیل کے بارے میں مشرکانہ عقائد کی حقیقت کو نمایاں کیا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

فَتَعٰلَی اللّٰہُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ. اَیُشْرِکُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ. وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَھُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَھُمْ یَنْصُرُوْنَ. وَاِنْ تَدْعُوْھُمْ اِلَی الْھُدٰی لَا یَتَّبِعُوْکُمْ سَوَآءٌ عَلَیْکُمْ اَدَعَوْتُمُوْھُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ. اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ فَادْعُوْھُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ. اَلَھُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِھَآ اَمْ لَھُمْ اَیْدٍ یَّبْطِشُوْنَ بِھَآ اَمْ لَھُمْ اَعْیُنٌ یُّبْصِرُوْنَ بِھَآ اَمْ لَھُمْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِھَا قُلِ ادْعُوْا شُرَکَآءَ کُمْ ثُمَّ کِیْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ. اِنَّ وَلِیِّ َۧ اللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتٰبَ وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ. وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَکُمْ وَلَآ اَنْفُسَھُمْ یَنْصُرُوْنَ. وَاِنْ تَدْعُوْھُمْ اِلَی

''اللہ برتر ہے ان چیزوں سے جن کو یہ شریک ٹھیراتے ہیں۔ کیا وہ ایسی چیزوں کو شریک ٹھیراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتیں، بلکہ وہ خود مخلوق ہیں اور وہ نہ ان کی کسی قسم کی مدد کر سکتی ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتی ہیں۔ اور اگر تم ان کو رہنمائی کے لیے پکارو وہ تمھارے ساتھ نہ لگیں گی، یکساں ہے خواہ تم ان کو پکارو یا تم خاموش رہو۔ جن کو تم اللہ کے ما سوا پکارتے ہو یہ تو تمھارے ہی جیسے بندے ہیں۔ پس ان کو پکار دیکھو، وہ تمھیں جواب دیں اگر تم سچے ہو۔ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں، کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں، کیا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں، کیا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں؟ کہہ دو، تم اپنے شریکوں کو بلاؤ، میرے خلاف چالیں چل دیکھو اور مجھے مہلت نہ دو۔ میرا کارساز اللہ ہے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

الْهُدٰی لَا یَسْمَعُوْا وَتَرٰهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ. (اعراف ۷: ۱۹۰-۱۹۸)

جس نے کتاب اتاری ہے اور وہ نیکوکاروں کی کارسازی فرماتا ہے اور جن کو تم اللہ کے ماسوا پکارتے ہو، نہ وہ تمھاری ہی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں اور اگر تم ان کو رہنمائی کے لیے پکارو، وہ تمھاری بات نہ سنیں گے اور تم ان کو دیکھتے ہو کہ وہ تمھاری طرف تاک رہے ہیں، لیکن انھیں سوجھتا کچھ بھی نہیں۔''

ان آیات سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

اولاً، اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک اور برتر ہے جنھیں مشرکین اس کی ذات، صفات اور حقوق میں شریک کر کے بیان کرتے ہیں۔ جو لوگ اللہ کے شریک ٹھیراتے ہیں یا اس کے ہاں اولاد کا تصور رکھتے ہیں، وہ اصل میں اس کی صفات الوہیت، شان یکتائی، قدرت، بے نیازی اور اس کے بے پایاں علم کی نفی کا اظہار کرتے اور اس طرح اس کی ذات وصفات کی اہانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔[۳] مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''خدا کی صفات کے ساتھ ایسی صفات کا جوڑ ملانا جو اس کی بنیادی صفات کو باطل کر دیں، بالکل خلاف عقل ہے۔ شرک، جس نوعیت کا بھی ہو، تمام صفات کمال کی نفی کر دیتا ہے، اس وجہ سے خدا ایسی تمام نسبتوں اور شرکتوں سے منزہ اور ارفع ہے۔'' (تدبر قرآن ۳/۴۰۸)

ثانیاً، یہ ایسی چیزوں کو اللہ کا شریک ٹھیراتے ہیں جو خالق نہیں، بلکہ انھی کی طرح مخلوق ہیں۔ یعنی یہ کس قدر بے بنیاد بات ہے کہ خدا کی خدائی میں ان چیزوں کو شریک مانا جائے جو کچھ بھی تخلیق کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں، بلکہ اللہ کی دیگر مخلوقات ہی کی طرح اس کی مخلوق ہیں۔ خدا کو جب مدد کے لیے پکارا جائے تو وہ پکارنے والے کی مدد کرتا ہے، مگر یہ کسی کی مدد تو کیا کریں گی، خود اپنی مدد کرنے کی استطاعت بھی نہیں رکھتیں۔ چنانچہ ان کو پکارنا اور نہ پکارنا بالکل یکساں ہے۔ یہ فقط مٹی اور پتھر ہیں اور ان صلاحیتوں سے بھی محروم ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے گڑگڑانے والوں کو دے رکھی ہیں۔ نہ ان کے پاؤں ہیں کہ چل پھر سکیں، نہ ہاتھ ہیں کہ کسی کو اپنی مرضی کے خلاف عمل کرنے سے روک سکیں، نہ ان کی آنکھیں ہیں کہ نذر و نیاز کو دیکھ سکیں اور نہ کان ہیں کہ آہ و پکار کو سن سکیں۔ سورۂ حج میں اسی بات کو دوسرے انداز میں بیان فرمایا ہے:

۳۔ ماخوذ از تدبر قرآن ۳/۳۹۹۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ. مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ. (الحج ۲۲:۷۳-۷۴)

’’لوگو، ایک تمثیل بیان کی جاتی ہے تو اس کو توجہ سے سنو! جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ ایک مکھی بھی پیدا کر سکنے پر قادر نہیں ہیں اگرچہ وہ اس کے لیے سب مل کر کوشش کریں۔ اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو وہ اس سے اس کو بچا بھی نہیں پائیں گے۔ طالب اور مطلوب، دونوں ہی ناتوان! انھوں نے اللہ کی، جیسا کہ اس کا حق ہے، قدر نہیں پہچانی! بے شک، اللہ قوی اور غالب ہے۔‘‘

سورۂ اعراف کی مذکورہ آیات میں قرآن مجید نے ایک طرف ان مخلوقات کی خدا کے مقابلے میں حیثیت کو واضح کیا ہے جن کو اللہ کا شریک سمجھا جاتا تھا اور دوسری طرف ان پتھروں اور مورتوں کی بے چارگی نمایاں کی ہے جنھیں ان مخلوقات کے قالب قرار دے کر پوجا جاتا تھا۔ اس طرح قرآن نے بت پرستی کے ان دونوں اجزا کی اصلیت کو پوری طرح واضح کر دیا ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ قرآن مجید میں تماثیل، یعنی تصویروں اور مورتوں کی حرمت و شناعت کا بیان علی الاطلاق نہیں، بلکہ مشرکانہ مراسم سے متعلق ہونے کی وجہ سے ہے۔ احادیث میں بھی اسی بنا پر مجسموں اور ان کی تصویروں اور شبیہوں کو مذموم اور ممنوع قرار دیا ہے اور انھیں بنانے والے مصوروں کے بارے میں اخروی عذاب کا اعلان کیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

قرآنیات

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الکھف

(۴)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ
عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ

یاد کرو، جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو وہ سجدہ ریز ہو گئے، مگر ابلیس نہیں مانا ——— وہ جنوں میں سے تھا[55] ——— سو اپنے پروردگار کے حکم سے نکل بھاگا۔ اب کیا تم مجھے چھوڑ کر اُس کو اور اُس کی اولاد کو اپنا کارساز بنا رہے ہو، دراں حالیکہ وہ تمھارے دشمن ہیں[56]؟ بڑا ہی برا بدل ہے جسے یہ ظالم اختیار کر رہے ہیں[57]! (یہ اُن کو میرا شریک ٹھیرا رہے ہیں[58]، جب کہ) میں نے اِن (شیطانوں) کو نہ زمین

۵۵؎ یعنی فرشتہ نہیں، بلکہ جن تھا۔ یہ استثنا دلیل ہے کہ جب سجدے کا حکم دیا گیا تو اُس میں فرشتوں کے ساتھ جنات بھی شامل تھے۔ وہ اُس وقت چونکہ فرشتوں کے توابع کی حیثیت رکھتے تھے، اِس لیے حکم میں مذکور نہیں ہوئے۔

۵۶؎ یعنی پہلے دن سے تمھارے دشمن ہیں اور اُن کی دشمنی کو دیکھ کر بھی اُنھیں یہ حیثیت دے رہے ہو۔

۵۷؎ یہ اظہار افسوس اور اظہار تعجب کا جملہ ہے اور اُن سے منہ پھیر کر ارشاد ہوا ہے۔

۵۸؎ مشرکین عرب جس طرح فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دے کر اُن کو پوجتے تھے، اُسی طرح جنوں کا رشتہ بھی

بَدَلًا ﴿۵۰﴾ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ

اور آسمانوں کو پیدا کرتے وقت بلایا تھا اور نہ خود اِن کو پیدا کرتے وقت بلایا تھا۔ میں ایسا نہیں ہوں کہ گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو بنا لوں[۵۹]۔ ۵۰-۵۱

(یہ اُس دن کیا کریں گے)، جس دن خدا کہے گا کہ اب اُن کو پکارو جنھیں تم میرا شریک سمجھتے تھے۔ سو اُن کو پکاریں گے، مگر وہ اِنھیں کوئی جواب نہ دیں گے۔ ہم اُن کے درمیان ایک ہلاکت کا گڑھا حائل کر دیں گے اور یہ مجرم اُس کی آگ کو دیکھیں گے اور سمجھ لیں گے کہ اُسی میں گرنے والے ہیں اور اُس سے بچنے کے لیے وہ کوئی راہ نہ پا سکیں گے۔ ۵۲-۵۳

ہم نے اِس قرآن میں لوگوں کی رہنمائی کے لیے ہر قسم کی تنبیہات[۶۰] طرح طرح سے بیان کر دی ہیں،

خدا سے قائم کیے ہوئے تھے اور مختلف صورتوں میں اُن کی پرستش کرتے تھے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''...وہ ہر وادی اور ہر پہاڑ کے الگ الگ جن اور بھوت مانتے اور اُن کی آفتوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے اُن کی جے پکارتے اور اُن کو نذرانے اور چڑھاوے پیش کرتے۔ بعض جن تو اتنے خطرناک سمجھے جاتے کہ اُن کو راضی رکھنے کے لیے بدقسمت لوگ اپنی اولاد تک کی قربانی پیش کرتے۔ اُن کا وہم یہ تھا کہ اگر اِس جن کو اپنی کسی اولاد کی قربانی دے کر راضی نہ رکھا گیا تو وہ ساری اولاد کو چٹ کر جائے گا۔'' (تدبر قرآن ۴/ ۵۹۶)

۵۹۔ اِس جملے کا اسلوب بیان طنزیہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے تو اپنے کسی کام میں اُن سے کبھی کوئی مدد نہیں لی، لیکن تمھارا حال یہ ہے کہ نہایت فیاضی کے ساتھ تم میری خدائی میں اُنھیں شریک بنا رہے ہو کہ گویا یہ زمین و آسمان اور اِن کی مخلوقات، سب اُنھی کے تعاون سے وجود میں آئی ہیں۔

جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَ ھُمُ الْھُدٰی وَیَسْتَغْفِرُوْا رَبَّھُمْ
اِلَّآ اَنْ تَاْتِیَھُمْ سُنَّۃُ الْاَوَّلِیْنَ اَوْ یَاْتِیَھُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ
اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَیُجَادِلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ
وَاتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ وَمَآ اُنْذِرُوْا ھُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ

مگر انسان بڑا ہی جھگڑالو واقع ہوا ہے۔[61] جب اِن کے پاس ہدایت آ چکی تو اِن لوگوں کو ایمان لانے اور اپنے پروردگار کی مغفرت مانگنے سے یہی چیز روک رہی ہے کہ اگلوں کا معاملہ ان کے لیے بھی ظاہر ہو جائے یا عذاب اِن کے سامنے آ کھڑا ہو۔[62] (اِنھیں بتاؤ کہ) رسولوں کو تو ہم صرف اِس لیے بھیجتے ہیں کہ بشارت دیں اور خبردار کر دیں[63] اور اِن منکروں کا حال یہ ہے کہ باطل کی مدد سے کٹ حجتیاں کرتے ہیں کہ اِس کے ذریعے سے حق کو نیچا دکھائیں[64] اور میری آیتوں کو اِنھوں نے مذاق بنا رکھا ہے اور اُس چیز کو بھی جس سے اِنھیں خبردار کیا گیا ہے۔ اُن سے بڑا ظالم کون ہو گا جنھیں اُن کے پروردگار کی آیتوں

۶۰؎ اصل میں لفظ 'مَثَل' آیا ہے۔ یعنی وہ باتیں جو تمثیل کے اسلوب میں بیان ہوئی ہیں اور اُن کے ذریعے سے لوگوں کو عالم غیب کے حقائق پر متنبہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ تنبیہ اِس لفظ کا لازم ہے۔ ہم نے ترجمہ اِسی کے لحاظ سے کیا ہے۔

۶۱؎ یہ بات عام صیغے سے فرمائی ہے، مگر اشارہ اُنھی مخاطبین کی طرف ہے جن سے بحث ہو رہی ہے۔

۶۲؎ یعنی جہاں تک دلیل و برہان کا تعلق ہے، اُس میں کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی۔ قرآن نے ہر قسم کی تنبیہات سنا دی ہیں اور ہر بات گونا گوں پہلوؤں سے واضح کر دی گئی ہے۔ لیکن یہ ماننا نہیں چاہتے، اِس لیے مصر ہیں کہ اب عذاب ہی کو دیکھ کر مانیں گے۔ استاذ امام کے الفاظ میں، قرآن اِن کے آگے مائدۂ آسمانی بچھا رہا ہے، لیکن یہ قہر آسمانی کے طلب گار ہیں۔ ایسے شامت زدوں کا بھلا کیا علاج! اِن کو معلوم نہیں ہے کہ جب عذاب الٰہی نمودار ہو گا تو وہ دیدار کر کے واپس نہیں چلا جائے گا، بلکہ اِن کا کچومر نکال کر رکھ دے گا تو اِس کے بعد یہ کس چیز پر ایمان لائیں گے؟

۶۳؎ یعنی فیصلے کا وقت آنے سے پہلے لوگوں کو فرماں برداری کے اچھے اور نافرمانی کے برے نتائج سے خبردار کر دیں۔ مگر یہ احمق اِس سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اُنھی برے نتائج کے لیے بے تاب ہو رہے ہیں جن سے خدا کے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

عَنۡهَا وَنَسِیَ مَا قَدَّمَتۡ یَدٰهُ اِنَّا جَعَلۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ اَکِنَّةً اَنۡ یَّفۡقَهُوۡهُ وَفِیۡۤ
اٰذَانِهِمۡ وَقۡرًا وَاِنۡ تَدۡعُهُمۡ اِلَی الۡهُدٰی فَلَنۡ یَّهۡتَدُوۡۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾ وَرَبُّكَ الۡغَفُوۡرُ
ذُو الرَّحۡمَةِ لَوۡ یُؤَاخِذُهُمۡ بِمَا کَسَبُوۡا لَعَجَّلَ لَهُمُ الۡعَذَابَ بَلۡ لَّهُمۡ مَّوۡعِدٌ
لَّنۡ یَّجِدُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖ مَوۡئِلًا ﴿۵۸﴾ وَتِلۡكَ الۡقُرٰۤی اَهۡلَکۡنٰهُمۡ لَمَّا ظَلَمُوۡا وَجَعَلۡنَا

کے ذریعے سے یاددہانی کی جائے تو وہ اُن سے منہ پھیر لیں اور اپنے ہاتھوں کی کمائی بھول جائیں[۶۵] جو آگے بھیج چکے ہیں۔ اِن کے دلوں پر ہم نے (اِسی کے سبب سے) پردے ڈال دیے ہیں کہ اِس (قرآن) کو نہ سمجھیں اور اِن کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے (کہ اِس کو نہ سنیں)[۶۶]۔ تم اِن کو کتنا ہی ہدایت کی طرف بلاؤ، یہ اِس حالت میں تو ہرگز کبھی ہدایت نہ پائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمھارا پروردگار بڑا درگذر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ وہ اِن کے اعمال کی پاداش میں اِنھیں (اِسی وقت) پکڑنا چاہتا تو اِن پر فوراً عذاب بھیج دیتا، لیکن اِن کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ (وہ جب آ جائے گا تو) یہ اُس کے مقابل میں کوئی پناہ کی جگہ نہ پائیں گے۔ یہ بستیاں (تمھارے سامنے) ہیں[۶۷]۔ جب اُن کے لوگ ظالم ہو گئے تو ہم نے اُنھیں ہلاک کر دیا اور اُن کی ہلاکت کے لیے بھی ہم نے

پیغمبر اِنھیں بچانا چاہتے ہیں۔

۶۴؎ یعنی جب کوئی حقیقی دلیل نہیں پاتے کہ اُس کے ذریعے سے قرآن کے انذار کو جھٹلائیں تو اِس طرح کی بے تکی باتوں سے کٹ حجتیاں کر کے اُس کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ جس عذاب سے ڈرایا جا رہا ہے، وہ آ کیوں نہیں جاتا اور جس قیامت کی خبر دی گئی ہے، وہ آخر کہاں رہ گئی ہے۔ آیت میں اِنھی بے اصل باتوں کو لفظ 'بَاطِل' سے تعبیر کیا ہے۔

۶۵؎ یعنی اِس بات کو بھول جائیں کہ جو کچھ کر چکے ہیں، اُس کی بنا پر یہ ہر وقت عذاب الٰہی کے سزاوار ہیں۔

۶۶؎ اصل الفاظ ہیں: 'اِنَّا جَعَلۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ اَکِنَّةً اَنۡ یَّفۡقَهُوۡهُ وَفِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرًا'۔ اِن میں 'اَنۡ' سے پہلے 'من' یا 'کراهة' کا لفظ عربیت کے اسلوب پر محذوف ہے۔ اِسی طرح 'فِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرًا' کے بعد 'أن یسمعوه'

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

لِمَهۡلِكِهِمۡ مَّوۡعِدًا﴿۵۹﴾

ایک وقت مقرر کر رکھا تھا۔۵۴-۵۹

کے الفاظ بھی تقابل کے قاعدے سے حذف ہو گئے ہیں۔ ہم نے ترجمے میں اِنھیں کھول دیا ہے۔

۶۷؎ یہ مدین، ثمود، قوم لوط اور قوم سبا کے اجڑے دیاروں کی طرف اشارہ ہے جن سے اہل عرب اپنے سفروں میں گزرتے رہتے تھے۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

معارف نبوی

جاوید احمد غامدی

تحقیق و تخریج: محمد حسن الیاس

دوزخ کے اعمال

(۴)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

—۱—

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ،[1] عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا[2] [بِغَيْرِ حَقٍّ][3] لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ،[4] وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا".[5]

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی معاہَد کو ناحق قتل کیا، وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا، دراں حالیکہ اُس کی خوشبو چالیس برس کی مسافت پر بھی محسوس ہوتی ہے۔

۱۔ یعنی وہ شخص جو کسی معاہدے کے نتیجے میں مسلمانوں کی ریاست کا شہری بنا ہو۔ اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ معاہدات کی اسلام کے سیاسی اخلاقیات میں کیا اہمیت ہے اور اِن سے روگردانی کے نتائج قیامت میں کس قدر

سنگین ہو سکتے ہیں۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن صحیح بخاری، رقم ۲۹۴۶ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے اِس کے مصادر یہ ہیں: مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۷۳۷۷۔ مسند احمد، رقم ۶۵۶۹۔ صحیح بخاری، رقم ۶۴۳۱۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۲۶۷۸۔ مسند بزار، رقم ۲۱۰۲، ۲۱۱۰۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۴۶۹۵۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۶۶۹۸۔ مستدرک حاکم، رقم ۲۵۰۸۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۵۱۴۸، ۱۵۱۴۹۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہی مضمون نقیع بن مسروح رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ اُن سے اِس کے مصادر درج ذیل ہیں:

مسند طیالسی، رقم ۹۱۲۔ مصنف عبدالرزاق، رقم ۱۷۹۰۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۷۳۷۷، ۲۷۳۷۸۔ مسند احمد، رقم ۱۹۹۰، ۱۹۸۹۶، ۱۹۹۱۵۔ سنن دارمی، رقم ۲۴۲۴۔ سنن ابی داؤد، رقم ۲۳۸۲۔ مسند بزار، رقم ۳۱۳۰، ۳۱۴۷۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۴۶۹۳۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۶۶۹۶۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۳۰۰۷۔

۲۔ اِس روایت کے کئی طریقوں میں اِس جگہ 'أَهْلُ الذِّمَّةِ' کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھیے: مسند احمد، رقم ۶۵۶۹۔

۳۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۵۱۴۸۔ نقیع بن مسروح رضی اللہ عنہ سے منقول بعض طرق میں 'بِغَيْرِ حَقٍّ' کے بجاے 'فِيْ غَيْرِ كُنْهِهِ' کے الفاظ ہیں، یعنی بغیر کسی مقصد کے۔ مسند احمد، رقم ۲۰۳۸۳ میں اِنھی سے 'بِغَيْرِ حِلِّهَا' منقول ہے۔ اِن سب تعبیرات کا مدعا ایک ہی ہے۔

۴۔ سنن ابی داؤد، رقم ۲۳۸۲ میں اِس جگہ 'حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ' ''اللہ اُس پر جنت حرام کر دے گا'' کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔

۵۔ صحیح ابن حبان، رقم ۷۵۴۱ میں 'أَرْبَعِيْنَ عَامًا' کے بجاے 'مِئَةِ عَامٍ' کے الفاظ ہیں، یعنی سو برس، جب کہ مستدرک حاکم، رقم ۱۲۲ میں 'خَمْسِ مِائَةِ عَامٍ' کے الفاظ ہیں، یعنی پانچ سو برس۔ یہ دونوں طریق نقیع بن مسروح رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہیں۔

۲

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ،[۱] عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: شَيْخٌ زَانٍ،[۲] وَمَلِكٌ كَذَّابٌ، وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ".[۳]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین لوگ ایسے ہیں[۱] کہ جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ بات کریں گے، نہ اُن کی طرف نگاہ التفات سے دیکھیں گے اور نہ اُنھیں پاک کریں گے[۲] اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے: ایک، جو بڑھاپے میں بھی زنا سے باز نہ آئے،[۳] دوسرا، جو بادشاہ ہو کر بھی لوگوں سے جھوٹ بولتا ہو اور تیسرا وہ شخص جس کو مفلسی بھی اِس سے باز نہ رکھ سکے کہ وہ حق کے مقابلے میں اکڑ بیٹھے۔[۴]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۱۔ یہ اسلوب اِس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ جن لوگوں کا انجام بیان کرنا پیش نظر ہے، وہ پوری طرح نمایاں ہو جائیں۔ اِس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اِن کے علاوہ کسی دوسرے کا یہ انجام نہیں ہوگا۔ چنانچہ آگے ہم دیکھیں گے کہ بعض دوسرے گناہوں کے مرتکبین کا ذکر بھی اِسی اسلوب میں کیا گیا ہے۔

۲۔ یعنی ایسا بھی نہیں ہوگا کہ اُنھیں تھوڑی بہت سزا دے کر معاف کر دیا جائے۔ اصل میں لفظ 'یُزَکِّیهِمْ' استعمال ہوا ہے۔ قیامت میں اِس کی یہی صورت متصور ہو سکتی ہے۔ چنانچہ سورۂ آل عمران (۳) کی آیت ۷۷ میں اہل کتاب کے اُن مجرموں کے لیے بھی یہ لفظ اِسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے جنھوں نے اُس عہد کو توڑ دیا جو اللہ کی شریعت اور آخری پیغمبر کی بعثت سے متعلق اُن سے لیا گیا تھا۔

۳۔ یعنی اِس کے باوجود باز نہ آئے کہ ذہن پختہ ہو چکا، گناہ کے داعیات کمزور ہو گئے، اور جنسی ہیجان کی وہ کیفیت باقی نہیں رہی جس کا تجربہ نوجوانوں کو ہوتا ہے۔

۴۔ یہ اِس لیے فرمایا ہے کہ مال و دولت سے محرومی آدمی کے اندر عاجزی پیدا کرتی اور اُن حجابات کو بالعموم دور کر دیتی ہے جو مترفین کے ہاں حق کے مقابلے میں سرکشی کا باعث بن جاتے ہیں۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مسند اسحاق، رقم ۱۶۸ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے یہ روایت درج ذیل مصادر میں نقل ہوئی ہے:

مسند احمد، رقم ۹۲۸۱، ۹۳۸۱، ۱۰۰۱۸۔ صحیح مسلم، رقم ۱۵۹۔ السنن الصغریٰ، نسائی رقم ۲۵۴۱۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۶۸۶۶۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۶۱۶۰، ۶۱۷۶۔ مستخرج ابی عوانہ، رقم ۶۵۶۲۔ صحیح ابن حبان، رقم ۴۵۰۵، ۴۹۶۷۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۸۶۲۲۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہ روایت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ ملاحظہ ہو: مسند بزار، رقم ۲۲۳۵ اور رقم ۳۴۳۰۔

۲۔ مسند احمد رقم ۹۳۸۱ میں 'وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ' کے بجائے 'وَالْعَامِلُ الْمَزْهُوُّ'، یعنی متکبر مزدور کے الفاظ آئے ہیں۔

۳۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۸۶۲۲ اِس جگہ 'وَلَا إِلَى الْعَجُوْزِ الزَّانِيَةِ' کا اضافہ نقل ہوا ہے، یعنی وہ عورت جو بڑھیا ہو کر بھی زنا سے باز نہ آئے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

—— ۳ ——

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ! قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ [يَوْمَ الْقِيَامَةِ][۲] وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ: رَجُلٌ عَلٰى فَضْلِ مَاءٍ [بِالْفَلَاةِ][۳]، يَمْنَعُ مِنْهُ ابْنَ السَّبِيْلِ،[۴] وَرَجُلٌ بَايَعَ رَجُلًا لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِلدُّنْيَا فَإِنْ أَعْطَاهُ مَا يُرِيْدُ وَفٰى لَهُ وَإِلَّا لَمْ يَفِ لَهُ،[۵] وَرَجُلٌ سَاوَمَ رَجُلًا بِسِلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ [فِي سُوْقِ الْمَدِيْنَةِ أَوْ بِالْبَقِيْعِ][۶]، فَحَلَفَ بِاللّٰهِ لَقَدْ أَعْطٰى بِهَا كَذَا وَكَذَا فَأَخَذَهَا“.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین لوگ ایسے ہیں جن سے اللہ قیامت کے دن نہ بات کریں گے، نہ اُن کی طرف نگاہ التفات سے دیکھیں گے اور نہ اُنھیں پاک کریں گے اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے: ایک وہ شخص جو کسی بیابان میں ضرورت سے زیادہ پانی پر قبضہ جمائے بیٹھا ہو اور مسافر کو اُس سے روک دے[1]۔ دوسرا جو کسی شخص کی بیعت[2] محض دنیا کے لیے کرے،[3] پھر وہ اُس کی خواہش کے مطابق دے دے تو اپنا عہد نباہے اور نہ دے تو بے وفائی کرے۔ اور تیسرا وہ شخص جو عصر کے بعد[4] مدینے یا بقیع کے بازار میں[5] کسی سامان کا بھاؤ تاؤ کر رہا ہو اور اللہ کی قسم کھا[6] لے کہ اُس نے تو اِس کے عوض اتنی اور اتنی قیمت ادا کر رکھی ہے۔ چنانچہ دوسرا اُس پر بھروسا کر کے وہ سامان خرید لے۔

۱۔ یہ جرم عام حالات میں بھی شنیع ہے، لیکن اِس کی شناعت اُس وقت بہت زیادہ ہو جاتی ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں اور جس زمانے میں یہ بات کہی گئی، اُس میں یہ ممانعت کسی مسافر کی جان بھی لے سکتی تھی۔

۲۔ اِس سے مراد سیاسی وفاداری کا عہد ہے جو اُس زمانے میں قیام حکومت کے بعد ہر شہری کے لیے کرنا ضروری تھا۔

۳۔ یعنی خدا اور رسول کے حکم پر نظم اجتماعی کو قائم رکھنے کے لیے نہیں، بلکہ حکمران سے مال و دولت، زمین، جایداد، عہدے اور مناصب حاصل کرنے کے لیے۔

۴۔ عصر کے بعد، اِس لیے فرمایا کہ اُس زمانے میں یہی وقت جلد سے جلد سامان بیچ کر دکان بڑھانے کا ہوتا تھا۔ چنانچہ آگے جو جرم بیان ہوا ہے، اُس کے ارتکاب کے زیادہ مواقع بھی اِسی وقت پیش آتے تھے۔

۵۔ یہ محض بیان واقعہ ہے، اِس کا جرم کی شناعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۶۔ یعنی جھوٹی قسم کھا لے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن صحیح بخاری، رقم ۲۳۶۹ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اِس روایت کو درج ذیل مصادر میں نقل کیا گیا ہے:

مسند احمد، رقم ۷۴۴۲، ۱۰۰۱۷۔ مسند عبد بن حمید، رقم ۱۴۷۵۔ صحیح بخاری، رقم ۲۱۹۷، ۲۲۰۷، ۲۴۸۹، ۶۶۹۹، ۶۹۱۶۔ صحیح مسلم، رقم ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱۔ سنن ترمذی، رقم ۱۵۱۹۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۲۱۹۸، ۲۸۶۵۔ سنن ابی داؤد، رقم ۳۰۱۷۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۵۸۰۶، ۵۸۴۳، ۶۸۶۶۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۲۵۴۱، ۴۴۱۰۔ تہذیب الآثار، طبری، رقم ۱۳۷۳۔ مشکل الآثار، طحاوی، رقم ۲۹۸۵۔ مستخرج ابی عوانہ، رقم ۹۲، ۹۵، ۴۲۰۵، ۴۷۵۱۔ صحیح ابن حبان، رقم ۵۰۱۷۔

۲۔ صحیح بخاری، رقم ۲۱۹۷۔

۳۔ صحیح مسلم، رقم ۱۶۰۔ اصل روایت میں اِس جگہ 'بِطَرِيقٍ' کے الفاظ ہیں، یعنی راستے میں۔

۴۔ صحیح ابن حبان، رقم ۵۰۱۷ میں اُس آدمی کے متعلق جو پانی دینے سے انکار کر دے، یہ اضافہ بھی نقل ہوا ہے: 'يَقُوْلُ اللّٰهُ: الْيَوْمَ أَمْنَعُكَ فَضْلِيْ، كَمَا مَنَعْتَ فَضْلَ مَا لَمْ تَعْمَلْهُ يَدَاكَ'' ''اللہ تعالیٰ کہیں گے: آج میں تم کو اُسی طرح اپنے فضل سے محروم کر رہا ہوں، جس طرح تو نے اُس چیز کے فضل سے محروم کیا تھا جسے تمھارے ہاتھوں نے نہیں بنایا تھا''۔

۵۔ طبری کی تہذیب الآثار، رقم ۱۳۷۳ میں یہ بات اِس اسلوب میں نقل ہوئی ہے: 'إِنْ أَعْطَاهُ وَفٰى، وَإِنْ مَنَعَهُ نَكَثَ' ''اگر وہ دے دے تو عہد پورا کرے اور دینے سے انکار کر دے تو اُس کو توڑ دے''۔ صحیح بخاری، رقم ۲۱۹۷ میں یہ بات اِن الفاظ میں نقل ہوئی ہے: 'فَإِنْ أَعْطَاهُ مِنْهَا رَضِيَ وَإِنْ لَمْ يُعْطِهِ مِنْهَا سَخِطَ' ''اگر وہ دے دے تو راضی رہے، اور اگر دینے سے انکار کر دے تو ناراض ہو جائے''۔ طحاوی کی مشکل الآثار، رقم ۲۹۸۵ میں نقل ہوا ہے کہ اِس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ آل عمران (۳) کی آیت ۷۷ تلاوت فرمائی۔ آیت یہ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا، اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ.

''جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ دیتے ہیں، اُن کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، اور اللہ قیامت کے دن نہ اُن سے بات کرے گا، نہ اُن کی طرف نگاہ التفات سے دیکھے گا اور نہ اُنھیں (گناہوں سے) پاک کرے گا، بلکہ وہاں اُن کے لیے ایک دردناک سزا ہے''۔

۶۔ مستخرج ابی عوانہ، رقم ۹۵۔ مسند احمد، رقم ۱۰۰۱۷ میں اِس جگہ یہ اضافہ ہے: 'وَرَجُلٌ حَلَفَ عَلٰى سِلْعَةٍ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بَعۡدَ الۡعَصۡرِ یَعۡنِيۡ کَاذِبًا‘‘ ’’اور وہ شخص جس نے عصر کے بعد سامان بیچنے پر قسم کھائی، مطلب یہ ہے کہ جھوٹی قسم کھائی‘‘۔ صحیح بخاری، رقم ۲۱۹۷ میں بیان ہوا ہے کہ اِس کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ آل عمران (۳) کی وہی آیت تلاوت فرمائی جو اوپر نقل ہوئی ہے۔ اِس سے غالباً یہ اشارہ مقصود تھا کہ اللہ کو گواہ ٹھیرا کر اللہ سے جھوٹ بولا جائے یا بندوں سے، اُس کا نتیجہ قیامت میں ایک ہی ہوگا۔

— ۴ —

عَنۡ أَبِيۡ ذَرٍّ[1] قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ: ’’ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ، وَلَا يَنۡظُرُ إِلَيۡهِمۡ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ، وَلَا يُزَكِّيۡهِمۡ وَلَهُمۡ عَذَابٌ أَلِيۡمٌ‘‘، فَقُلۡتُ: يَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ، مَنۡ هُمۡ خَابُوۡا وَخَسِرُوۡا؟ فَقَالَ: ’’[الۡمَنَّانُ الَّذِيۡ لَا يُعۡطِيۡ شَيۡئًا إِلَّا مَنَّهُ، وَالۡمُنَفِّقُ سِلۡعَتَهُ بِالۡحَلِفِ الۡفَاجِرِ[2]، وَالۡمُسۡبِلُ إِزَارَهُ]‘‘.[3]

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین لوگ ایسے ہیں جن سے اللہ نہ بات کریں گے، نہ قیامت کے دن اُن کی طرف نگاہ التفات سے دیکھیں گے اور نہ اُنھیں پاک کریں گے اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ابوذر کہتے ہیں، میں نے کہا: یارسول اللہ، کون ہیں وہ لوگ؟ وہ تو پھر سخت نقصان اور خسارے میں پڑ گئے۔ آپ نے فرمایا: ایک وہ احسان جتانے والا جو کوئی چیز بھی دے تو لازماً احسان جتاتا ہے[1]۔ دوسرا جو جھوٹی قسم کھا کر سامان بیچتا ہے اور تیسرا جو اپنا تہ بند (متکبرانہ) نیچے لٹکائے رکھتا ہے[2]۔

۱۔ یہ، ظاہر ہے کہ آخری درجے کی دناءت ہے جس کے ساتھ کسی شخص کے لیے جنت کے دروازے نہیں کھل سکتے۔

۲۔ اِس باب کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب جاہلی میں متکبرین کا یہ عام طریقہ تھا کہ لمبا قمیص پہنیں گے، پگڑی کا شملہ کمر سے نیچے تک لٹکا ہوا ہوگا، تہ بند ٹخنوں سے اِس قدر نیچے ہوگا کہ گویا آدھا زمین پر گھسٹ رہا ہے۔ روایتوں میں ’اسبال‘ کا لفظ اِسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں لباس کی اِسی وضع پر وعید

سنائی ہے۔اور اِس لیے سنائی ہے کہ تکبر من جملہ کبائر ہے اور مستکبرین کے بارے میں قرآن نے تصریح کر دی ہے کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو سکتا ہے، لیکن کوئی مستکبر جنت میں نہیں جا سکتا۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن اصلاً سنن دارمی، رقم ۲۴۲۵ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے اِس روایت کو درج ذیل مصادر میں نقل کیا گیا ہے:

مسند طیالسی، رقم ۴۶۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۱۶۰۴، ۲۴۲۱۹، ۲۶۰۰۸۔ مسند احمد، رقم ۲۰۸۰۰، ۲۰۸۸۶، ۲۰۹۱۱، ۲۰۹۵۴، ۲۴۲۱۹۔ سنن دارمی، رقم ۲۵۲۴۔ صحیح مسلم، رقم ۱۵۷۔ سنن ترمذی، رقم ۱۱۲۸۔ سنن ابی داؤد، رقم ۳۵۶۷۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۲۱۹۹۔ مسند بزار، رقم ۳۴۳۱۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۲۳۲۷، ۲۳۲۸، ۹۳۲۱، ۱۰۵۰۰۔ السنن الصغریٰ، نسائی رقم ۲۵۲۹، ۴۴۰۶، ۴۴۰۷۔

۲۔ صحیح مسلم، رقم ۱۵۷۔ صحیح مسلم، رقم ۱۵۸ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تین مرتبہ تلاوت فرمائی۔

۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۴۲۱۹ میں 'فاجر' کی جگہ 'کاذب' نقل ہوا ہے۔ دونوں کا مدعا ایک ہی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

المصادر والمراجع

ابن حبان، أبو حاتم بن حبان. (١٤١٤هـ/١٩٩٣م). **صحيح ابن حبان.** ط٢. تحقيق: شعيب الأرنؤوط. بيروت: مؤسسة الرسالة.

ابن حجر، علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني. (١٣٧٩هـ). **فتح الباري شرح صحيح البخاري.** (د.ط). تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار المعرفة.

ابن قانع. (١٤١٨هـ/١٩٩٨م). **المعجم الصحابة** .ط١. تحقيق:حمدي محمد. مكة مكرمة: نزار مصطفى الباز.

ابن ماجة، ابن ماجة القزويني. (د.ت). **سنن ابن ماجة.** ط١. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي.

بيروت: دار الفكر.

ابن منظور، محمد بن مكرم بن الأفريقي. (د.ت). **لسان العرب**. ط ١. بيروت: دار صادر.

أبو نعيم ، (د.ت). **معرفة الصحابه**.ط ١ . تحقيق: مسعد السعدني. بيروت: دارالكتاب العلمية.

أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني. (د.ت). **مسند أحمد بن حنبل**. ط ١ . بيروت: دار إحياء التراث العربي.

البخاري، محمد بن إسماعيل. (١٤٠٧هـ/ ١٩٨٧م). **الجامع الصحيح**. ط٣. تحقيق: مصطفٰى ديب البغا. بيروت: دار ابن كثير.

بدر الدين العيني. **عمدة القاري شرح صحيح البخاري**. (د.ط). بيروت: دار إحياء التراث العربي.

البيهقي، أحمد بن الحسين البيهقي. (١٤١٤هـ/١٩٩٤م). **السنن الكبرٰى**.ط ١ . تحقيق: محمد عبد القادر عطاء. مكة المكرمة: مكتبة دار الباز.

السيوطي، جلال الدين السيوطي. (١٤١٦هـ/ ١٩٩٦م). **الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج**.ط ١ . تحقيق: أبو إسحٰق الحويني الأثري. السعودية: دار ابن عفان للنشر والتوزيع.

الشاشي، الهيثم بن كليب. (١٤١٠هـ). **مسند الشاشي** . ط ١ . تحقيق: محفوظ الرحمٰن زين اللّٰه. المدينة المنورة: مكتبة العلوم والحكم.

محمد القضاعي الكلبي المزي.(١٤٠٠هـ/١٩٨٠م). **تهذيب الكمال في أسماء الرجال**. ط ١ . تحقيق: بشار عواد معروف. بيروت: مؤسسة الرسالة.

مسلم، مسلم بن الحجاج. (د.ت). **صحيح المسلم**. ط ١ . تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

النسائي، أحمد بن شعيب. (١٤٠٦هـ/١٩٨٦م). **السنن الصغرٰى**. ط٢ . تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة. حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية.

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

النسائي، أحمد بن شعيب. (١٤١١هـ/١٩٩١م). **السنن الكبرىٰ**. ط ١ . تحقيق: عبد الغفار سليمان البنداري، سيد كسروي حسن. بيروت: دار الكتب العلمية.

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جاوید احمد غامدی
تحقیق و تخریج: محمد عامر گزدر

اگلوں کی پیروی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۱

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ[۱]: "[وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ[۲]] لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ [كَانَ[۳]] قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ، وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ، حَتّٰى لَوْ سَلَكُوا[۴] جُحْرَ ضَبٍّ لَسَلَكْتُمُوهُ"[۵]، قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، اليَهُودَ، وَالنَّصَارٰى؟ قَالَ: "فَمَنْ؟".

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم لوگ بھی اپنے اگلوں ہی کے طریقوں پر چلو گے[۱]۔ تم میں اور اُن میں ایسی موافقت ہوگی، گویا بالشت پر بالشت اور ہاتھ پر ہاتھ، یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں گھسے ہوں گے تو تم بھی لازماً گھسو گے[۲]۔ ہم نے پوچھا: یارسول اللہ، یہود و نصاریٰ مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا: اور کون؟

۱۔ اصل میں لفظ 'سنن' آیا ہے۔ اِس سے یہاں برے طریقے مراد ہیں، یعنی جو اُنھوں نے اپنی خواہشات اور

تعصّبات سے مغلوب ہو کر دین کی تعبیر، اُس کے فہم اور اُس پر عمل کے معاملے میں اختیار کیے۔ آگے کی روایتوں سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جائے گی۔ تاہم یہاں 'لَوْ سَلَکُوْا جُحْرَ ضَبٍّ' کے الفاظ سے بھی واضح ہے۔

۲۔ یہ ظاہر ہے کہ شدید تنبیہ کا اسلوب ہے۔ اِس سے مقصود یہ ہے کہ نسلاً بعد نسل آپ کے تمام ماننے والے متنبہ ہوں اور اگلوں کے انجام سے سبق لے کر اُن برے طریقوں سے بچیں جو اُن کے لیے خدا کے غضب اور اُس کی ناراضی کا باعث بن گئے۔ قرآن مجید کے پہلے باب میں اُن سورتوں کی تقدیم کا مقصد بھی یہی ہے جن میں یہود و نصاریٰ سے خطاب کیا گیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی، افسوس ہے کہ حرف بہ حرف پوری ہو گئی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کے علما و رُہبان نے جو رویے اختیار کیے اور اپنے دین میں طرح طرح کی بدعتیں داخل کر کے جس طرح اُس کا حلیہ بگاڑا، اُن کے حکمرانوں نے جس طرح خدا کی شریعت کو پس پشت ڈالا اور اُن کے عوام جس طرح توہمات میں مبتلا ہوئے اور مشرکانہ عقائد اور مبتدعانہ اعمال کے خوگر ہو کر رہ گئے، مسلمان بھی اُسی طریقے سے اِن سب جرائم کا ارتکاب کر چکے ہیں۔ اِس کی تفصیلات اگر کوئی شخص چاہے تو عہد رسالت کے بعد ہر دور کے علما و مصلحین کی تحریروں میں دیکھ لے سکتا ہے جو اپنے زمانے کے لوگوں کو اُن کے جرائم پر متنبہ کرتے رہے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن اصلاً صحیح بخاری، رقم ۳۴۵۶ سے لیا گیا ہے۔ الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ اِس کے باقی طرق جن مراجع میں نقل ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: مسند احمد، رقم ۱۱۸۰۰، ۱۱۸۴۳۔ صحیح بخاری، رقم ۷۳۲۰۔ صحیح مسلم، رقم ۲۶۶۹۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۷۰۳۔

اِس کے شواہد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اِن شواہد کے مراجع یہ ہیں: مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۳۷۶۔ مسند احمد، رقم ۸۳۴۰، ۹۸۱۹، ۱۰۸۲۷۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۳۹۹۴۔ مسند حارث، رقم ۷۵۴۔ مستدرک حاکم، رقم ۱۰۶۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے اِس باب کی روایت السُّنۃ، مروزی رقم ۴۸ میں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے السُّنۃ، مروزی رقم ۴۳ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

۲۔ یہ اضافہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ایک طریق مسند احمد، رقم ۸۳۴۰ سے لیا گیا ہے۔

۳۔ صحیح بخاری، رقم ۷۳۲۰۔

۴۔ بعض روایتوں، مثلاً مسند احمد، رقم ۱۱۸۰۰ میں یہاں 'دَخَلُوا' کا لفظ ہے۔

۵۔ بعض روایتوں، مثلاً صحیح بخاری، رقم ۷۳۲۰ میں یہاں 'تَبِعْتُمُوْهُمْ' کا لفظ روایت ہوا ہے۔

— ۲ —

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَأْخُذَ أُمَّتِي بِأَخْذِ الْقُرُوْنِ قَبْلَهَا، شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ"، فَقِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، كَفَارِسَ وَالرُّوْمِ؟ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَمَنِ النَّاسُ إِلَّا أُولٰئِكَ".

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت نہیں آئے گی، یہاں تک کہ میری امت کے لوگ بھی وہی طریقے اختیار کر لیں گے جو اُن سے پہلی قوموں نے کیے تھے۔ دونوں میں ایسی موافقت ہوگی، گویا بالشت پر بالشت اور ہاتھ پر ہاتھ رکھا ہو۔ لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ، جس طرح فارس اور روم کے لوگ ہیں[1]؟ آپ نے فرمایا: اِن کے سوا اور کون لوگ ہو سکتے ہیں؟

۱۔ یعنی فارس کے مجوس اور روم کے مسیحی۔ اِس سے اشارہ نکلتا ہے کہ مجوس بھی اگرچہ ثنویت، آتش پرستی اور دوسری مشرکانہ بدعتوں میں مبتلا ہو چکے تھے، لیکن اصلاً کسی پیغمبر ہی کے پیرو تھے۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اتمام حجت کے بعد اِن کی سزا کے معاملے میں اِن پر اُسی قانون کا اطلاق کیا، جس کا حکم قرآن میں اہل کتاب کے لیے دیا گیا ہے۔ سورۂ حج (۲۲) کی آیت ۱۷ میں اِن کا ذکر جس طریقے سے ہوا ہے، اُس سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

متن کے حواشی

ا۔ اِس روایت کا متن صحیح بخاری، رقم ۳۱۹۷ سے لیا گیا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے تعبیر کے کچھ فرق کے ساتھ اِس کے متابعات اِن مراجع میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: مسند احمد، رقم ۸۳۰۸، ۸۴۳۳، ۸۸۰۵، ۸۸۰۶۔

— ۳ —

إِنَّ شَدَّادَ بْنَ أَوْسٍ، حَدَّثَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ[1]: "لَيَحْمِلَنَّ شِرَارُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى سَنَنِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ [مِنْ][2] أَهْلِ الْكِتَابِ حَذْوَ الْقُذَّةِ بِالْقُذَّةِ".

شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِس امت کے اشرار لازماً وہی طریقے اختیار کریں گے جو اہل کتاب کے اُن لوگوں نے اختیار کیے تھے جو اِن سے پہلے گزرے ہیں، بالکل اُسی طرح جیسے تیر کے پر ایک دوسرا پر رکھ دیا جائے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

متن کے حواشی

ا۔ اِس روایت کا متن اصلاً مسند احمد، رقم ۱۷۱۳۵ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی تنہا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ ہیں۔ الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ اِس کے باقی طرق اِن مراجع میں نقل ہوئے ہیں: مسند طیالسی، رقم ۱۲۱۷۔ مسند ابن جعد، رقم ۳۴۲۴۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۷۱۴۰۔

۲۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۷۱۴۰۔

— ۴ —

عَنْ أَبِيْ وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ، قَالَ[1]: كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحُنَيْنٍ

وَنَحۡنُ حَدِيۡثُو عَهۡدٍ بِكُفۡرٍ فَمَرَرۡنَا عَلٰى شَجَرَةٍ[2] يَضَعُ الۡمُشۡرِكُوۡنَ عَلَيۡهَا أَسۡلِحَتَهُمۡ،[3] [وَيَعۡكُفُوۡنَ حَوۡلَهَا][4] يُقَالُ لَهَا: ذَاتُ أَنۡوَاطٍ،[5] فَقُلۡنَا: يَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ، اجۡعَلۡ لَنَا ذَاتَ أَنۡوَاطٍ كَمَا لَهُمۡ ذَاتُ أَنۡوَاطٍ، فَقَالَ: "اللّٰهُ أَكۡبَرُ، قُلۡتُمۡ كَمَا قَالَ أَهۡلُ الۡكِتَابِ[6] لِمُوۡسٰى عَلَيۡهِ السَّلَامَ: ﴿اجۡعَلۡ لَنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمۡ اٰلِهَةٌ﴾" [الأعراف: ۱۳۸]، ثُمَّ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ: "[وَالَّذِي نَفۡسِي بِيَدِهِ[7]] إِنَّكُمۡ سَتَرۡكَبُوۡنَ سَنَنَ مَنۡ كَانَ قَبۡلَكُمۡ [سُنَّةً سُنَّةً][8]".

ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور ابھی نئے نئے کفر سے نکل کر اسلام کی طرف آئے تھے کہ ہمارا گزر ایک درخت کے پاس سے ہوا جس پر مشرکین اپنے اسلحہ لٹکا دیتے اور اُس کے گرد پرستش کے لیے بیٹھ جاتے تھے۔ اُسے ذات انواط کہا جاتا تھا۔ چنانچہ ہم نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جس طرح اِن کا ذات انواط ہے، آپ ہمارے لیے بھی اِسی طرح کا ایک ذات انواط ٹھیرا دیجیے۔ آپ نے یہ سنا تو فرمایا: اللہ اکبر، تم نے تو وہی بات کہہ دی جو اہل کتاب نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ جس طرح اِن کے معبود ہیں، اِسی طرح کا ایک معبود ہمارے لیے بھی بنا دو۔ اِس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم لوگ بھی اپنے اگلوں ہی کے راستے پر چلو گے، اِس طرح کہ اُن کا ایک ایک طریقہ اختیار کرتے جاؤ گے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن اصلاً مسند طیالسی، رقم ۱۴۴۳ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی تنہا ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ ہیں۔ متن کے معمولی اختلاف کے ساتھ اِس کے متابعات جن مراجع میں نقل ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: جامع معمر بن راشد،

رقم ۳۶۳ـ ۲۰۷۔ مسند حمیدی، رقم ۸۷۱ـ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۵۳۷۵۔ مسند احمد، رقم ۲۱۸۹۷، ۲۱۹۰۰۔ سنن ترمذی، رقم ۲۱۸۰۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۱۱۱۲۱۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۱۴۴۱۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۷۰۲۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۳۲۹۰، ۳۲۹۱، ۳۲۹۲۔ معرفۃ السنن والآثار، بیہقی، رقم ۳۲۹۔

۲۔ روایتوں کے کئی طریقوں، مثلاً مسند احمد، رقم ۲۱۹۰۰ میں یہاں 'فَمَرَرْنَا بِسِدْرَةٍ'' کہ ہمارا گزر بیری کے ایک درخت کے پاس سے ہوا'' کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔

۳۔ بعض طرق، مثلاً المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۳۲۹۱ میں یہاں 'يَنُوطُونَ بِهَا أَسْلِحَتَهُمْ' کے الفاظ آئے ہیں، جب کہ بعض روایتوں، مثلاً مسند احمد، رقم ۲۱۸۹۷ میں یہاں 'يُعَلِّقُونَ بِهَا أَسْلِحَتَهُمْ' کے الفاظ ہیں۔ یہ سب کم وبیش ایک ہی معنی کی تعبیرات ہیں۔

۴۔ مسند احمد، رقم ۲۱۹۰۰۔

۵۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۷۰۲ میں یہاں 'وَيَدْعُونَهَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ'' اور وہ اُس کو ذات انواط کے نام سے پکارتے تھے'' کے الفاظ روایت ہوئے ہیں۔

۶۔ کئی طریقوں، مثلاً سنن ترمذی، رقم ۲۱۸۰ میں یہاں 'أَهْلُ الْكِتَابِ' کے بجائے 'قَوْمُ مُوسَى' کے الفاظ ہیں، جب کہ مسند احمد، رقم ۲۱۹۰۰ میں یہاں 'كَمَا قَالَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ لِمُوسَى'' جیسا کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ سے کہا تھا'' کے الفاظ آئے ہیں۔

۷۔ سنن ترمذی، رقم ۲۱۸۰۔

۸۔ مسند احمد، رقم ۲۱۸۹۷۔

المصادر والمراجع

ابن أبي أسامة أبو محمد الحارث بن محمد التميمي البغدادي. (۱٤۱۳هـ/ ۱۹۹۲م).

بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث. ط۱. المنتقي: أبو الحسن نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي. تحقيق: د. حسين أحمد صالح الباكري. المدينة المنورة: مركز خدمة السنة والسيرة النبوية.

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ابن أبي شيبة أبو بكر عبد الله بن محمد العبسي. (١٤٠٩هـ). **المصنف في الأحاديث والآثار**. ط١. تحقيق: كمال يوسف الحوت. الرياض: مكتبة الرشد.

ابن الجَعْد، علي بن الجَعْد بن عبيد الجَوْهَري البغدادي. (١٤١٠هـ/ ١٩٩٠م). **مسند ابن الجعد**. ط١. تحقيق: عامر أحمد حيدر. بيروت: مؤسسة نادر.

ابن حبان أبو حاتم محمد بن حبان البُستي. (١٤١٤هـ/ ١٩٩٣م). **صحيح ابن حبان**. ط٢. تحقيق: شعيب الأرنؤوط. بيروت: مؤسسة الرسالة.

ابن حبان أبو حاتم محمد بن حبان البُستى.(١٣٩٦هـ). **المجروحين من المحدثين والضعفاء والمتروكين**. ط١. تحقيق: محمود إبراهيم زايد. حلب: دار الوعي.

ابن حجر أحمد بن علي أبو الفضل العسقلاني. (١٤١٥هـ). **الإصابة في تمييز الصحابة**. ط١. تحقيق: عادل أحمد عبد الموجود وعلي محمد معوض. بيروت: دار الكتب العلمية.

ابن حجر أحمد بن علي أبو الفضل العسقلاني. (١٤٠٦هـ/ ١٩٨٦م). **تقريب التهذيب**. ط١. تحقيق: محمد عوامة. سوريا: دار الرشيد.

ابن حجر أحمد بن علي أبو الفضل العسقلاني. (١٤٠٤هـ/ ١٩٨٤م). **تهذيب التهذيب**. ط١. بيروت: دار الفكر.

ابن حجر أحمد بن علي أبو الفضل العسقلاني. (١٣٧٩هـ). **فتح الباري شرح صحيح البخاري**. د.ط. بيروت: دار المعرفة.

ابن حجر أحمد بن علي أبو الفضل العسقلاني. (٢٠٠٢م). **لسان الميزان**. ط١. تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة. د.م: دار البشائر الإسلامية.

ابن عدي أبو أحمد الجرجاني. (١٤١٨هـ/ ١٩٩٧م). **الكامل في ضعفاء الرجال**. ط١. تحقيق: عادل أحمد عبد الموجود، وعلي محمد معوض. بيروت: الكتب العلمية.

ابن ماجه أبو عبد الله محمد القزويني.(د.ت). **سنن ابن ماجه**. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

د.م: دار إحياء الكتب العربية.

أبو يعلىٰ أحمد بن علي التميمي، الموصلي. (١٤٠٤هـ/ ١٩٨٤م). **مسند أبي يعلىٰ**. ط١. تحقيق: حسين سليم أسد. دمشق: دار المأمون للتراث.

أحمد بن محمد بن حنبل أبو عبد اللّٰه الشيباني. (١٤٢١هـ/ ٢٠٠١م). **المسند**. ط١. تحقيق: شعيب الأرنؤوط، وعادل مرشد، وآخرون. بيروت: مؤسسة الرسالة.

البخاري، محمد بن إسماعيل، أبو عبداللّٰه الجعفي. (١٤٢٢هـ). **الجامع الصحيح**. ط١. تحقيق: محمد زهير بن ناصر الناصر. بيروت: دار طوق النجاة.

البيهقي، أبو بكر، أحمد بن الحسين الخراساني. (١٤١٢هـ/ ١٩٩١م). **معرفة السنن والآثار**. ط١. تحقيق: عبد المعطي أمين قلعجي. القاهرة: دار الوفاء.

الترمذي أبو عيسىٰ محمد بن عيسىٰ. (١٣٩٥هـ/ ١٩٧٥م). **سنن الترمذي**. ط٢. تحقيق وتعليق: أحمد محمد شاكر، ومحمد فؤاد عبد الباقي، وإبراهيم عطوة عوض. مصر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفىٰ البابي الحلبي.

الحاكم أبو عبد اللّٰه محمد بن عبد اللّٰه النيسابوري. (١٤١١هـ/ ١٩٩٠م). **المستدرك على الصحيحين**. ط١. تحقيق: مصطفىٰ عبد القادر عطا. بيروت: دار الكتب العلمية.

الحميدي، أبو بكر عبد اللّٰه بن الزبير بن عيسىٰ القرشي الأسدي. (١٩٩٦م). **مسند الحميدي**. ط١. تحقيق وتخريج: حسن سليم أسد الدَّارَانيّ. دمشق: دار السقا.

الذهبي شمس الدين أبو عبد اللّٰه محمد بن أحمد. (١٣٨٧هـ/ ١٩٦٧م). **ديوان الضعفاء والمتروكين وخلق من المجهولين وثقات فيهم لين**.ط٢. تحقيق: حماد بن محمد الأنصاري. مكة: مكتبة النهضة الحديثة.

الذهبي شمس الدين أبو عبد اللّٰه محمد بن أحمد. (١٤٠٥هـ/ ١٩٨٥م). **سير أعلام النبلاء**. ط٣. تحقيق: مجموعة من المحققين بإشراف الشيخ شعيب الأرنؤوط. د.م: مؤسسة الرسالة.

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

الذهبي شمس الدين أبوعبد اللّٰه محمد بن أحمد. (١٤١٣هـ/ ١٩٩٢م). **الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة**. ط١. تحقيق: محمد عوامة أحمد محمد نمر الخطيب. جدة: دار القبلة للثقافة الإسلامية – مؤسسة علوم القرآن.

الذهبي شمس الدين أبو عبد اللّٰه محمد بن أحمد. (١٣٨٢هـ/ ١٩٦٣م). **ميزان الاعتدال في نقد الرجال**. ط١. تحقيق: على محمد البجاوي. بيروت: دار المعرفة للطباعة والنشر.

السيوطي جلال الدين عبد الرحمٰن بن أبي بكر. (١٤١٦هـ/ ١٩٩٦م). **الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج**. ط١. تحقيق وتعليق: أبو اسحٰق الحويني الأثري. الخبر: دار ابن عفان للنشر والتوزيع.

الطبراني أبو القاسم سليمان بن أحمد الشامي. (د.ت). **المعجم الكبير**. ط٢. تحقيق: حمدي بن عبد المجيد السلفي. القاهرة: مكتبة ابن تيمية.

الطيالسي أبو داود سليمان بن داود البصري. (١٤١٩هـ/ ١٩٩٩م). **مسند أبي داود الطيالسي**. ط١. تحقيق: الدكتور محمد بن عبد المحسن التركي. مصر: دار هجر.

المزي أبو الحجاج يوسف بن عبد الرحمٰن القضاعي، الكلبي. (١٤٠٠هـ/ ١٩٨٠م). **تهذيب الكمال في أسماء الرجال**. ط١. تحقيق: دكتور بشار عواد معروف. بيروت: مؤسسة الرسالة.

مسلم بن الحجاج النيسابوري. (د.ت). **الجامع الصحيح**. د.ط. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

معمر بن أبي عمرو راشد الأزدي البصري. (١٤٠٣هـ). **الجامع**. ط٢. تحقيق: حبيب الرحمٰن الأعظمي. بيروت: توزيع المكتب الإسلامي.

النسائي أبو عبد الرحمٰن أحمد بن شعيب الخراساني. (١٤٢١هـ/ ٢٠٠١م). **السنن الكبرىٰ**. ط١. تحقيق وتخريج: حسن عبد المنعم شلبي. بيروت: مؤسسة الرسالة.

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

المروزي أبو عبد اللّٰه محمد بن نصر بن الحجاج. **السنة**. (١٤٠٨هـ). ط١. تحقيق: سالم أحمد السلفي. بيروت: مؤسسة الكتب الثقافية.

النووي يحيٰى بن شرف أبو زكريا. (١٣٩٢هـ). **المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج**. ط٢. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محمد وسیم اختر مفتی

حضرت عبداللہ بن مظعون رضی اللہ عنہ

www.javedahmedghamidi.org
www.al-mawrid.org

حضرت عبداللہ بن مظعون قبیلۂ قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ان کے دادا کا نام حبیب بن وہب تھا۔اپنے پانچویں جد جمح بن عمرو کی نسبت سے وہ جمحی کہلاتے ہیں۔کعب بن لؤی پر ان کا شجرۂ نسب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک سے جا ملتا ہے۔آپ مرہ بن کعب، جب کہ عبداللہ ہصیص بن کعب کی اولاد میں سے تھے۔ہصیص جمح کے دادا اور حضرت عبداللہ بن مظعون کے ساتویں جد تھے۔حضرت عبداللہ کی والدہ سخیلہ بنت عنبس بھی بنو جمح سے تعلق رکھتی تھیں۔حضرت عثمان بن مظعون ان کے سگے اور حضرت قدامہ بن مظعون سوتیلے بھائی تھے۔حذافہ بن جمح حضرت عبداللہ کے لکڑ دادا (دادا کے دادا) ہونے کے ساتھ ان کے لکڑ نانا (نانا کے دادا) بھی تھے۔حضرت عبداللہ کے چچا معمر بن حبیب زمانۂ جاہلیت میں ہونے والی جنگ فجار کے ایک کمانڈر تھے۔ام المومنین سیدہ حفصہ بنت عمر حضرت عبداللہ کی بھانجی تھیں، ان کی والدہ کا نام حضرت زینب بنت مظعون تھا۔ابو محمد حضرت عبداللہ بن مظعون کی کنیت تھی۔

مکہ کی گھاٹیوں میں رسول آخر الزمان کی بعثت سے آفتاب اسلام چمکا تو کچھ نیک فطرت اصحاب اس کی روشنی پانے کے لیے لپکے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں انھیں 'اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'* کا نام دیا ہے۔''السیرۃ النبویۃ'' میں ابن ہشام نے ابن اسحاق کے حوالے سے ان کی فہرست دی ہے۔اس ترتیب میں جو بادی النظر میں زمانی (chronological) لگتی ہے، حضرت عبداللہ بن مظعون کا پندرھواں نمبر ہے۔حضرت عبداللہ کے بھائی حضرت

---

* التوبہ ۹: ۱۰۰۔

عثمان بن مظعون، حضرت قدامہ بن مظعون اور بھتیجے حضرت سائب بن عثمان بھی ان کے ساتھ نعمت اسلام سے سرفراز ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی دارارقم میں تبلیغ ودعوت کا سلسلہ شروع نہ کیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مظعون کو حبشہ و مدینہ، دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا۔ رجب ۵ /نبوی (۶۱۵ء) میں جب کمزور اہل ایمان پر قریش مکہ کا ظلم وستم عروج پر تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: تم اس سرزمین جور وستم سے ہجرت کیوں نہیں کر جاتے؟ انھوں نے پوچھا: کہاں جائیں؟ آپ نے حبشہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: وہاں ایسے بادشاہ کی حکمرانی ہے جو اپنی سلطنت میں ظلم روا نہیں رکھتا۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت عثمان بن مظعون کی قیادت میں پندرہ اہل ایمان حبشہ روانہ ہوئے، پھر حضرت جعفر بن ابوطالب کی سربراہی میں دو کشتیوں پر سوار سڑسٹھ اہل ایمان کا دوسرا گروپ نکلا۔ حضرت عبداللہ بن مظعون اسی گروپ میں شامل تھے۔ یہ پہلی ہجرت حبشہ تھی۔ دونوں گروپوں کے مہاجرین کی مجموعی تعداد تراسی (ایک سونو: ابن جوزی) تھی۔

شوال ۵ /نبوی میں قریش کے قبول اسلام کی افواہ حبشہ میں موجود مسلمانوں تک پہنچی تو ان میں سے کچھ کشتی پر سوار ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب یہ خبر غلط ثابت ہوئی تو ان میں سے چند حبشہ لوٹ گئے، تاہم حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن مظعون، ان کے دو بھائی حضرت عثمان بن مظعون، حضرت قدامہ بن مظعون اور ان کے بھتیجے حضرت سائب بن عثمان ان تینتیس اصحاب میں شامل تھے جنھوں نے دوسری ہجرت حبشہ میں حصہ نہ لیا اور مکہ ہی مقیم ہو گئے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ہجرت حبشہ سے لوٹنے کے بعد کئی برس گزر گئے، مگر مکہ میں رہنے والے اہل ایمان کی کلفتیں ختم نہ ہوئیں۔ مسلمانوں کا جینا دوبھر ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: مجھے تمھارا دار ہجرت دکھا دیا گیا ہے، میں نے دیکھا کہ یہ کھجوروں والی زمین شور ہے جو دو سیاہ سنگلاخ سرزمینوں میں گھری ہوئی ہے (بخاری، رقم ۲۲۹۷)۔ آپ نے وضاحت فرمائی کہ خواب میں کھجوروں والی سرزمین دیکھ کر مجھے خیال ہوا کہ یہ نجد کا شہر یمامہ یا یمن یا بحرین کا مقام ہجر ہو گا، لیکن یہ یثرب نکلا (بخاری، رقم ۳۶۲۲)۔

۱۳/نبوی (۶۲۲ء) میں بیعت عقبۂ ثانیہ ہوئی۔ یثرب سے حج پر آنے والے اوس وخزرج کے ستر مردوں اور دو عورتوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر قبول حق اور نصرت اسلام کی بیعت کی۔ اب مدینہ کا دار ہجرت ہونا متعین ہو گیا، اس لیے آپ نے صحابہ سے فرمایا: اللہ نے تمھارے لیے بھائی بند اور گھر مہیا کر دیا ہے

جہاں تم اطمینان سے رہ سکتے ہو۔تم میں جو وہاں جانا چاہتا ہے، چلا جائے۔صحابہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں مکہ سے نکلنے لگے۔سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت عمرو بن ام مکتوم مدینہ پہنچے، پھر حضرت عمار بن یاسر، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت بلال نے ہجرت کی (بخاری، رقم ۳۹۲۵)۔ان کے بعد حضرت ابوسلمہ، ان کی اہلیہ، حضرت عامر بن ربیعہ، ان کی اہلیہ حضرت ام عبداللہ، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت ابوحذیفہ اور حضرت عبداللہ بن جحش نے شہر ہجرت کا رخ کیا۔حضرت عمر بیس افراد کے قافلہ کے ساتھ مدینہ آئے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کی آمد ہوئی۔حضرت عبداللہ بن مظعون نے مکہ کے گھر کو تالا لگا کر پورے کنبے سمیت ہجرت کی۔

حضرت عبداللہ بن مظعون، ان کے بھائی حضرت عثمان بن مظعون، حضرت قدامہ بن مظعون اور حضرت معمر بن حارث مدینہ میں حضرت عبداللہ بن سلمہ عجلانی کے مہمان ہوئے۔حضرت عثمان بن مظعون بعد میں حضرت ام علا انصاریہ کے گھر منتقل ہو گئے اور وہیں ان کی وفات ہوئی (بخاری، رقم ۷۰۰۳)۔

مدینہ تشریف آوری کے پانچ ماہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس بن مالک کے گھر تشریف لے گئے اور مہاجرین و انصار میں مواخات قائم فرمائی۔آپ نے کل پینتالیس مہاجرین کو اتنے ہی انصار کا بھائی بند قرار دیا۔یہ بھائی چارہ محدود نہ تھا، مدنی زندگی کے ابتدائی دو سال میں مہاجر و انصار بھائی ایک دوسرے کی وراثت بھی پاتے رہے۔اس موقع پر آپ نے حضرت سہل بن عبید (یا سہل بن عبیداللہ) کو حضرت عبداللہ بن مظعون کا انصاری بھائی قرار دیا۔دوسری روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن مظعون کی مواخات حضرت قطبہ بن عامر سے قرار پائی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ کی زندگی میں ستر سے زیادہ آیات نازل ہوئیں جن میں مسلمانوں کو قتال سے روکا گیا۔اہل ایمان کو مدینہ ہجرت کیے دوسرا سال تھا کہ اللہ کا فرمان اترا:

اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرُۨ الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ بِغَیۡرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ.
(الحج ۲۲: ۳۹-۴۰)

”(قتال کی) اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے، صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔“

اس اذن خداوندی کے بعد غزوات و سرایا کا سلسلہ شروع ہوا۔اسی سال ماہ رجب (۶۲۳ء) میں سریۂ عبداللہ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بن جحش ہوا جس میں قریش کا عمرو بن حضرمی مارا گیا۔ رمضان ۲ھ میں قریش ابن حضرمی کا بدلہ لینے اور شام سے آنے والے ابوسفیان کے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لیے آمادہ بہ جنگ ہوئے۔ یہ معرکۂ فرقان ۱۷؍ رمضان ۲ھ (۱۳؍ مارچ ۶۲۴ء) میں مدینہ سے ایک سو ساٹھ میل دور میدان بدر میں برپا ہوا۔ حضرت عبداللہ بن مظعون اور ان کے بھائیوں حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت قدامہ بن مظعون نے اس میں بھرپور حصہ لیا۔

ہجرت مدینہ کے اڑھائی سال بعد حضرت عثمان بن مظعون بیمار پڑ کر فوت ہوئے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کے حکم پر انھیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا، وہ اس تاریخی قبرستان میں ابدی نیند سونے والے پہلے یا دوسرے مسلمان تھے۔ حضرت عبداللہ بن مظعون، حضرت قدامہ بن مظعون، حضرت سائب بن عثمان اور حضرت معمر بن حارث قبر میں اترے، جب کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے کنارے پر کھڑے رہے۔

۱۵؍ شوال ۳ھ (جنوری ۶۲۵ء): ابوسفیان نے جنگ بدر کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے اپنا اور اپنے شرکاے تجارت کا تمام نفع صرف کیا، مکہ کی عورتوں نے اپنے زیور ڈالے۔ اس طرح تین ہزار کی فوج کھڑی کر کے مشرکین مکہ نے شہر نبی کا رخ کیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں رہ کر مدافعت کرنا چاہتے تھے، لیکن اکثر صحابہ کی راے تھی کہ شہر سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ منافقین چھٹ کر الگ ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مخلص صحابہ نے جبل احد کے دامن میں ڈیرا ڈالا۔ حضرت عبداللہ بن مظعون اس کارزار کفر و دیں میں آپ کے ساتھ تھے۔

۴ھ میں یہودی قبیلہ بنونضیر نے پتھر گرا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کی ناپاک کوشش کی تو انھیں مدینہ سے نکال دیا گیا۔ ابوسفیان نے بنونضیر سے اتحاد کیا، مسلمانوں کے حلیف قبیلۂ یہود بنوقریظہ کو ساتھ ملایا، بنوغطفان، بنوسلیم، بنوسعد، بنوفزارہ اور کچھ اور قبائل سے گٹھ جوڑ کر کے شوال ۵ھ (مارچ ۶۲۷ء) میں دس ہزار کی فوج جمع کر کے مدینہ پر حملہ کر دیا۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی کے مشورہ پر مدینہ کی کھلی طرف پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق کھدوائی۔ پچھلی طرف پہاڑیاں اور ایک طرف مکانات تھے۔ اس طرح مدینہ نے قلعہ کی صورت اختیار کر لی۔ اس غزوہ کو غزوۂ احزاب کہا جاتا ہے، کیونکہ کئی گروہ ملت اسلامیہ کے خلاف اکٹھے ہو گئے تھے، اسے جنگ خندق کا نام بھی دیا جاتا ہے، کیونکہ اس میں خندق کھود کر مدینہ کا دفاع کیا گیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مظعون اس ستائیس دن طویل کڑے معرکے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جب خوراک کی رسد نہ ہونے کی وجہ سے اہل مدینہ پر بھوک غالب آنے لگی تھی۔

حضرت عبداللہ بن مظعون بقیہ غزوات میں بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حضرت عبداللہ بن مظعون کا ایک قبطی غلام تھا جو عہد رسالت میں مسلمان ہوا، لیکن عہد فاروقی میں مرتد ہو گیا۔ اسے جرم ارتداد میں قتل کر دیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن مظعون نے ۳۰ھ میں خلیفۂ سوم حضرت عثمان کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ان کی عمر ساٹھ برس (اسی سال: ابن جوزی) ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن مظعون سے کوئی حدیث روایت نہیں کی گئی۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبدالبر)، الدرر فی اختصار المغازی والسیر (ابن عبدالبر)، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (ابن جوزی)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، سیر اعلام النبلاء (ذہبی)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)، محمد رسول اللہ (محمد رضا)، تاریخ اسلام (اکبر شاہ نجیب آبادی)۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ساجد حمید

مسئلۂ شر اور انکارِ خدا

[ماہنامہ اشراق کے جولائی ۲۰۱۷ء کے شمارے میں طبع شدہ میرا مضمون ''الحادِ جدید اور ہم'' ایک سمپوزیم (منعقدہ ۲۰۱۳ء) میں پڑھا گیا تھا۔ اس مقالے میں مسئلۂ شر کو اٹھایا گیا تھا، مگر اس کا جواب مقالے میں موجود نہیں تھا، اس لیے وہ مقالہ پڑھے جانے کے بعد سمپوزیم کے شرکا کے مطالبہ پر یہ مضمون، جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے، لکھا گیا اور اگلے ہی ہفتہ اسے ان کے سامنے پڑھا گیا۔ مصنف]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مسئلۂ شر

مسئلۂ شر یہ ہے کہ یہ دنیا اگر حکیم و علیم، رحمٰن و رحیم اور قادرِ مطلق رب کی بنائی ہوئی ہے تو اس میں بدی اور مصیبت نہیں ہونی چاہیے۔ بدی اور مصیبت کا وجود اس بات کا ثبوت ہے کہ خدا موجود ہی نہیں ہے، اس لیے کہ خدا کامل ترین ہستی کا نام ہے، جب کہ یہ کائنات ان دو چیزوں کی موجودگی کی وجہ سے ناقص معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے یہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ دنیا مادے کی اندھی صفات کا اظہار اور کارفرمائی ہے، اسے کسی عاقل و مہربان ہستی نے وجود پذیر نہیں کیا ہے۔ ذیل میں اس نکتے کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں:

مادی نگاہ سے دیکھیں تو یہ کائنات اپنے چلنے اور زمین پر موجودات و حیات کے سلسلہ کے طور پر مکمل نظر آتی ہے۔ مذہبی لوگ بھی خدا کی کاملیت کے احساس کے تحت اسے ہر پہلو سے مکمل سمجھتے ہیں[1]۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ ایک مکمل نظامِ طبعی ہے جو مادے کی دونوں اقسام[2] کے ظاہری و مخفی اوصاف سے جنھیں طبیعاتی اصول (physical laws) کہا

۱۔ غالباً سورۂ ملک کی ابتدائی آیات کی روشنی میں۔

۲۔ Organic & inorganic۔

جاتا ہے کے زیر اثر بہ خوبی چلتی دکھائی دیتی ہے۔ یہ ڈے کارٹ (Descartes) کے مابعد عہد کے کارتیسی اصول کے مطابق ایک شان دار مشین ہے، جو اپنے فرائض بہ طریق احسن انجام دے رہی ہے۔لیکن جب مذہب خدا کی بات کرتا ہے تو اس لحاظ سے فلسفیوں اور بعض فلسفہ ساز سائنس دانوں کو یہ دنیا ناقص دکھائی دیتی ہے۔مثلاً اگر خدا ہے تو آیا ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ چینی صرف مومنین کی چائے میٹھی کیا کرے،اور کافروں کی چائے بدمزہ کر دیا کرے! لیکن یہاں کچھ اور ہی سلسلہ دکھائی دیتا ہے کہ چینی دونوں کے ساتھ ایک سا سلوک کرتی ہے، بلکہ شاہوں، ظالموں اور لٹیروں کے گھر میں آسانی سے دستیاب ہے۔ان کی ہر چائے کی پیالی کو میٹھا کرنے کے لیے ہر وقت دست بستہ حاضر ہے۔

ایک ظالم چودھری، سارے گاؤں والوں پر ظلم کرتا ہے، ان سے زمینیں، باج، مزدوری، عورتیں نہ جانے کیا کیا لوٹتا اور بٹورتا ہے، مگر اس کی ساٹھ ستر سالہ زندگی میں ایک دن بھی پریشانی نہیں آتی، اگر آتی ہے تو ایسی پریشانیاں تو شرفا وصلحا پر بھی آتی ہیں؟ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا کہاں ہے؟ یقیناً خدا موجود نہیں ہے، بلکہ یہ سب بھی طبعی اصولوں پر ہے یا تاریخ اور وقت کی دھارا ہے جو لوگوں پر اتار چڑھاؤ لاتی ہے، جس کی زد میں صالحین بھی آتے ہیں اور ظالمین بھی۔خدا ے بابرکت کا فیض تو کہیں دکھائی نہیں دیتا۔[۳]

ماضی میں اس کا جواب یہ دیا گیا تھا کہ خدا یہ کائنات بنا کر سو چکا ہے، اب اسے اس کے سیاہ وسفید سے کوئی غرض نہیں ہے۔ایرانیوں نے دنیا کو اہرمن و یزداں کی جولان گاہ قرار دے دیا تھا کہ یہ شیطان و رحمٰن کا ''پانی پت'' ہے جہاں دونوں نبرد آزما ہوتے ہیں۔یونانیوں نے دیوتاؤں کی رزم گاہ سمجھا اور ہندوؤں نے رام کی لیلا (theater)۔ گوتم بدھ کی راہبانہ زندگی کا سبب یہی احساس ہی بنا تھا کہ یہ دنیا دُکھا (دکھ) سے بھری ہے آؤ، ترکِ تمنا سے اس سے مکتی حاصل کریں۔اسی اصول پر جدیدیت نے بالخصوص مارکس کے بعد یہ جواب دیا کہ خدا ہے ہی نہیں، آؤ نظام بدل کر اس ظلم سے نجات حاصل کریں۔مارکس کی برژوا اور پرولتاریہ کی تقریر یہ بتاتی ہے کہ یہ آجر کا ظلم ہے نہ کہ خدا کی بانٹ ہے۔

ادیانِ براہیمی کا جواب

مسئلۂ شر کے اس سوال کے جواب میں ابراہیمی مذاہب[۴] نے یہ بات کہی ہے کہ خدا نے خیر وشر کی ستیزہ کاری اس

---

۳ نقل کفر،کفر نہ باشد۔

۴ ادیانِ براہیمی کی اصطلاح اس مجلس کی مناسبت سے اختیار کی گئی تھی جس میں یہ مقالہ پڑھا گیا تھا، مراد اللہ کا اتارا ہوا دین

دنیا میں ہمیں آزمانے کے لیے جاری کر رکھی ہے۔[5] خیر وشر، دونوں خدا کے اذن وتخلیق سے ہیں۔ یہ دنیا امتحان گاہ ہے، اس لیے اس میں شر کی موجودگی لازم ہے۔ یہ امتحان ایک جامع الجہات امتحان ہے۔ یہ امتحان ایک سوچنے سمجھنے والی مخلوق سے لیا جانا ہے، اور اس مخلوق سے لیا جانا ہے جسے نہ صرف خیر وشر کے انتخاب کا اختیار دیا گیا ہے، بلکہ اس دنیا کے وسائل پر بھی اس کو کنٹرول دیا گیا ہے۔ وہ اس کی مٹی کا کیمیا گر ہے۔ بقول اقبال (سیاق وسباق سے کاٹ کر):

تو شب آفریدی چراغ آفریدم سفال آفریدی ایاغ آفریدم[6]
بیابان و کہسار و راغ آفریدی خیابان وگلزار و باغ آفریدم[7]
من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم[8]

انسان سے پہلے بہت سی مخلوقات پیدا ہوئیں، ان کو یہ قدرت نہیں ملی، لہٰذا نہ ان میں فلسفی ہوئے، نہ سائنس دان، نہ موجد اور نہ عمارت گر۔ اس مخلوق کی صلاحیتوں کے لحاظ سے امتحان یا دوسرے لفظوں میں کہیے کہ امتحان کے لحاظ سے مخلوق تیار کی گئی تھی۔ جو مخلوق ذرے کے پیچھے جھانکنے کی صلاحیت رکھتی ہو، اس کے لیے امتحان بھی ایسا ہی بنایا جانا چاہیے تھا کہ وہ ذروں کو جھانک کر بھی خدا کو نہ دیکھ سکے۔ لیکن جس طرح اَن دیکھی چیزوں کو وہ نتائج فکر (inference) کے طریقے پر دریافت کر لیتا ہے، بس ویسے ہی وہ خدا کو دریافت کر سکے، اور ایسا کرنا سب کے لیے ممکن ہو۔ اس کی تائید مزید یہ کی گئی کہ تمام انسانوں کو پیدایشی طور پر خدا کے ہونے کا سبق پڑھا دیا گیا اور رسولوں کے ذریعے سے اس کی تحکیم وتصویب کی گئی۔ لیکن خدا کا اپنے آپ کو حسی سطح پر غیب میں رکھنا اس امتحان کے لیے ضروری قرار پایا، کیونکہ اگر خدا سامنے آ جائے تو آزادی ختم ہو جائے گی اور امتحان ہو ہی نہیں سکے گا۔ یہ امتحان ہے ہی یہ کہ اس حالت میں کہ خدا کا ہونا محسوس تک نہ ہو اور آدمی اس کی خاطر امتحان دے رہا ہو۔

امتحان ہے ہی یہی کہ انسان بن دیکھے خدا کو مانے اور مان کر اس کے لحاظ سے زندگی گزارے۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ امتحان صرف اچھے اعمال کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ امتحان دوہرا ہے۔ اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ خدا کو مانا جائے — جو اَن دیکھا ہے، لیکن کائنات کے مشاہدے اور برتنے سے حاصل معلومات سے قابل دریافت ہے — اور پھر

اسلام ہے، جو آدم سے لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہم وسلم تک سب نبیوں پر اترا۔

5۔ الملک ۶۷: ۲۔

6۔ اے خدا تو نے رات بنائی میں نے چراغ بنایا، تو نے مٹی بنائی میں نے پیالہ بنا ڈالا۔

7۔ تو نے جنگل، پہاڑ اور وادیاں بنائیں، میں نے شاہ راہیں، گلشن اور باغات بنائے۔

8۔ میں وہ ہوں کہ میں پتھر سے شیشہ بنا لیتا ہوں، میں وہ ہوں کہ زہر سے صحت افزا مشروب بنا لیتا ہوں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس خدا کو ماننے کے تقاضے کے مطابق زندگی گزاری جائے (دینی اصطلاح میں یہی ایمان اور عمل صالح کہلاتے ہیں)۔ آج تو ہم عقلی طور پر بات کریں گے، لیکن کبھی موقع ملا تو قرآن کے چند مقامات کی آپ لوگوں کے سامنے وضاحت کرنا چاہوں گا، جس سے اس کائنات کی تخلیق میں امتحان کی غرض و غایت کو کس حسنِ خوبی سے بیان کیا گیا ہے[9]۔

لیکن جیسا ہم نے پچھلے مقالے میں دیکھا کہ مسئلۂ شر کے بعض پہلو حل طلب ہیں، مثلاً:

۱۔ بچوں پر سخت بیماریاں اور تکالیف کیوں آتی ہیں؟

۲۔ خدا اگر ہے، اور قادر و مالک اور علیم و حکیم بھی ہے تو براہ راست مداخلت کر کے امور کو درست کیوں نہیں کرتا؟

۳۔ دنیا کو برائی سے بھرا دیکھ کر، یہ تصور بنتا ہے کہ خدا برا[10] ہے، جب کہ خدا کو اچھا ہونا چاہیے۔

۴۔ اگر واقعی اللہ ہے، یہ دنیا اس نے بنائی ہے تو اس نے آزمانے کا کوئی بہتر طریقہ کیوں نہیں بنالیا، یہ برا طریقہ ہی اسے کیوں سوجھا؟ اس لیے یہی صحیح بات ہے کہ خدا کو نہ مانا جائے۔ صرف مادے کو خالق و آمر (creater & controller) مان لیں تو سب اشکالات رفع ہو جاتے ہیں۔

آیئے اب مذہب کی بات کو سمجھتے ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خدا کی اسکیم کا زاویۂ نگاہ

پہلے ایک تمثیل میں بات کو بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں ایک کلینک کے لیے ایک ڈاکٹر صاحب کو بھرتی کرنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لیے میرے گھر میں ایک ڈاکٹر صاحب آئے اور میں نے انھیں اپنے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔ جب میں چائے لے کر آیا تو انھوں نے میرے کمرے کے نقائص بیان کرنے شروع کیے۔ یہ کمرہ تو آپ نے صحیح ترتیب نہیں دیا، میں اپنے آلاتِ طب کہاں رکھوں گا؟ مریض کہاں بیٹھے گا؟ میری میز کہاں ہوگی؟ اسٹریچر کہاں رکھا جائے گا؟ تم نے تو گھریلو قسم کے سامان سے ہی سارا کمرا بھر دیا ہے؟ لگتا ہے تم نے صحیح پلان نہیں کیا! تم نہایت ناسمجھ ہو!

ذرا بتایئے، اس میں میرا کیا قصور ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ غلطی خود ڈاکٹر کی ہے کہ اس نے میرے ڈرائنگ روم کو

---

[9] اس موضوع پر بھی نوجوانوں کے اسی حلقے میں ایک مختصر مضمون پڑھا گیا تھا، جو اگلے کسی شمارے میں نظر قارئین کیا جائے گا۔

[10] أعوذ باللّٰہ من ذلك۔

اپنا مطب (clinic) سمجھ لیا ہے۔ ڈرائنگ روم کو مطب کے اعتبار سے دیکھیں تو یہ تمام اعتراضات درست ہیں۔ لیکن اس کے سارے اعتراضات دراصل اس وقت بے معنی ہو جائیں گے جب میں اسے کہوں کہ یہ تمھارا مطب نہیں، بلکہ میرا ڈرائنگ روم ہے۔ بالکل یہی معاملہ اس دنیا کا ہے۔ جس جس نے اسے رہنے کی دنیا کے طور پر دیکھا ہے، اس کو اعتراضات ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔ تمام اعتراضات اس دنیا کی اسکیم نہ سمجھنے سے پیدا ہوئے ہیں۔ خداے رحمٰن کی اس امتحان گاہ کو اس کی صفات کے مطابق دارالرحمہ یا دارالعدل سمجھ لیا گیا ہے، اور اس کی امتحانی اسکیم کو فراموش کر دیا گیا ہے۔

اس دنیا کا ایک ہی وصف ہے کہ یہ دارالعدل نہیں، بلکہ دارالامتحان ہے۔ صرف یہی وہ پہلو ہے جس کے لحاظ سے یہ دنیا مکمل ترین ہے۔ اس کا دارالامتحان ہونا اتنا کامل ترین ہے کہ خود بنانے والے ہی کا انکار کرنا ممکن ہو گیا ہے۔ بعضوں نے پرچے پھاڑ دیے ہیں، بعضے پوچھے گئے سوالات کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ اوپر بچوں والا سوال ہی اٹھا کر دیکھیں کہ اس نے الحاد کے لیے راہ ہموار کر دی ہے۔ اس سے آپ امتحان کے لیے اس دنیا کے کامل ہونے کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس قدر صریح سوال، اور اس قدر کھلی آزادی! اس طرح کے اشکالات پر قرآن کا تبصرہ بہت بڑھیا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ 'یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا'۔ یہ وہ سوالات ہیں جس کو خدائی اسکیم کو فراموش کر کے دیکھیں تو گمراہی کا سبب ہیں اور خدائی اسکیم کے لحاظ سے دیکھیں تو ہدایت کا نہایت مفید ذریعہ ہیں۔

لہٰذا الحاد کی غلطی یہ ہے کہ وہ ڈرائنگ روم کو مطب سمجھے بیٹھا ہے۔

زاویۂ نگاہ یا اپروچ کا بدلنا، ساری حقیقتوں کو الٹ پلٹ دیتا ہے۔ زاویۂ نگاہ کے بدلتے ہی نور ظلمات اور ظلمات نور بن جاتے ہیں۔ الحاد کی پہلی غلطی یہی ہے کہ اس امتحان گاہ کی آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ خدائی اسکیم کو فراموش کرنے کے قابل ہوا ہے۔ اس قابل بھی ہوا ہے کہ اپنے لیے نیا اور جدا زاویۂ نگاہ بنا سکے۔ لہٰذا اب وہ اپنے خودساختہ زاویۂ نگاہ سے اسے دیکھتا ہے تو ـــــ مطب کے لیے میرے ڈرائنگ روم کی طرح ـــــ یہ دنیا اس نئے زاویۂ نگاہ سے مطابقت رکھتی نظر نہیں آتی، لہٰذا سب کچھ غلط لگ رہا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ میں آم کے درخت پر مالٹے ڈھونڈنے لگ جاؤں، اور مالٹے نہ ملنے پر آم کا پیڑ بنانے والے کا انکار کر دوں۔ یا ہسپتال کی بلڈنگ میں بیڈروم یا ڈرائنگ روم نہ ہونے پر ہسپتال کا نقشہ بنانے والے کو کوسنے لگوں۔ تو ہر سمجھ دار آدمی یہی کہے گا کہ آم کے پیڑ پر آم ہی لگتے ہیں، اور ہسپتال گھر نہیں ہوتا، جس طرح ڈرائنگ روم مطب نہیں ہوتا۔

میری بات کا مطلب یہ ہے کہ یہ امتحان گاہ ہے اور اس اعتبار سے یہ ہر لحاظ سے کامل ترین ہے۔ اس میں ملحدین

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کی موجودگی، خدا کا انکار، خدا کا مذاق اڑانا، وغیرہ سب کے سب اس کے کامل امتحان گاہ ہونے کے ثبوت ہیں کہ یہاں ہر طرح کی سوچ، عمل اور رویوں کی آزادی ہے۔ کھل کر کھیلو۔ کسی رائے، فکر، خیال، اور عمل پر کوئی قدغن نہیں ہے، لیکن یاد رہے کل جواب دہی ہوگی۔

اس دارالامتحان کا دوسرا وصف یہ ہے کہ اس کا نتیجہ اس دنیا میں نہیں نکلنا، اس لیے کہ اگر اس دنیا میں ہر نیکی اور ہر بدی کا نتیجہ نکلنے لگے تو بہت عجیب و غریب مسائل پیدا ہو جائیں گے۔ ایک مسئلہ یہ پیدا ہوگا کہ یہ دنیا دارالامتحان ہی نہیں رہے گی۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے اب بچوں والے سوال ہی کو دوبارہ لیتے ہیں۔ امتحان گاہ کے امتحان گاہ بننے کے لیے یہ ضروری ہے کہ یہاں خدائی عدل نظر نہ آئے، کیونکہ اگر بے گناہوں پر برے حالات نہ آئیں تو یہ بات دارالامتحان کے امتحان کو ختم کر دیتی ہے، یعنی برائی نہ کرو تو برے حالات نہیں آئیں گے۔ تو سب کو پتا چل جائے گا کہ خدا ہے، کہ وہ اچھوں پر برے حالات نہیں آنے دیتا۔ امتحان کا امتحان ہونا باقی ہی اس وقت رہتا ہے کہ جب برے حالات سب پر آئیں۔ اس لیے کہ یہ دنیا دارالعدل نہیں ہے کہ یہاں معصوموں پر مصیبت نہ آئے، صرف بروں پر آئے۔ امتحان گاہ کے وصفِ امتحان گاہ کو قائم رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ یہاں بعض معصوم جانوں پر بھی کبھی کبھار مصیبت آئے۔ بچے پر مصیبت نہ آنا بھی اسی بات کا نشان بن جاتا کہ یہ معصوم ہیں، اس لیے جب گناہ گاری کی عمر میں آئیں گے تو تب ہی مصیبت کا شکار ہوں گے۔ یہ بات بھی اس اسکیم کو ختم کر دیتی ہے جسے ہم امتحان کہہ رہے ہیں۔

لہٰذا درست رویہ یہ ہے کہ اس اسکیم والے زاویۂ نگاہ سے اس کائنات کو دیکھیں نہ کہ اپنے زاویۂ نگاہ سے۔ سٹفن کووی[11] نے اپنی ایک کتاب میں زاویۂ نگاہ کی غلطی کو سمجھانے کے لیے ایک عمدہ مثال دی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ ایک بحری جہاز کا کپتان سمندر میں جا رہا تھا، رات کا اندھیرا تھا، چلتے چلتے اسے سامنے ایک چھوٹا جہاز نظر آیا، جس میں بس ایک ہی لائٹ دور سے دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے اس جہاز کے کپتان سے وائرلیس پر رابطہ کیا اور جیسے ہی رابطہ ہو گیا تو اس نے چھوٹے جہاز کے کپتان کو ڈانٹتے ہوئے کہا کہ میں بڑے جہاز میں ہوں جو تمھارے سامنے تیزی سے بڑھ رہا ہے، میرے سامنے سے ہٹ جاؤ اور مجھے راستہ دو۔ دوسری طرف سے آواز آئی سر، میں پیچھے نہیں ہٹ سکتا، آپ کو جہاز کا رخ موڑنا ہوگا۔ بڑے جہاز کا کپتان غصہ سے بھڑک اٹھا، اس نے کہا: تمھیں معلوم نہیں، میں عہدے میں تم سے بڑا ہوں، میرا راستہ چھوڑ دو پیچھے ہٹ جاؤ، ورنہ تمھاری کشتی پاش پاش ہو جائے گی۔ دوسری طرف سے آواز آئی: سر، میں کشتی نہیں، بلکہ ایک چٹان پر بیٹھا ہوں اور اس بیکن ہاؤس کا نگران ہوں۔ باوجود آپ

---

[11] Seven Habits کا مصنف۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ایک بڑے عہدے پر ہیں، لیکن مجھے نہیں، آپ ہی کو رخ موڑنا ہوگا۔ کپتان کے لیے ایک دم حقیقت بدل گئی، وہ کشتی سے نہیں چٹان سے ٹکرانے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اب اس کو اپنے عہدے کے باوجود اپنے جہاز کا رخ موڑنا تھا، اب وہ سیدھا چلتے رہنے پر اصرار نہیں کر سکتا تھا۔ ہماری عقل بھی اس جہاز کے کپتان جیسی ہے۔ غیب کے اندھیرے میں خدا دکھائی نہیں دے رہا، لیکن کیا اس سے حقیقت بدلنے والی ہے؟ ہرگز نہیں، حقیقت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ اس دنیا کو اس کے بنانے والے کے زاویے سے دیکھیں نہ کہ اس جہاز کے کپتان کی طرح اپنے خیال سے۔

خدا ظلم کو آ کر کیوں نہیں روکتا؟

رہا یہ پہلو کہ خدا کی رحمت دنیا میں مظلوموں پر ظاہر کیوں نہیں ہوتی؟ تو اس کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ پھر دارالامتحان دو پہلوؤں سے مزید ناقص ہو جائے گا:

ایک اس پہلو سے کہ خدا کی ہمیشہ آنے والی مدد آزادی کو ختم کر دے گی، اور جبر پیدا ہو جائے گا۔ اور دوسرے اس پہلو سے کہ خدا کے ظہور کا اس سے بڑا مظہر اور کیا ہوگا۔ اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ خدا کا ظہور خود امتحان میں رکاوٹ ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس امتحان گاہ کی روحِ امتحان کو قائم رکھنے کے لیے خدا نے مظلوموں کی مدد کے لیے ایک مخفی نظام بنا رکھا ہے۔ لیکن یہ مخفی نظام بھی سو فیصد معاملات کو نتائج تک نہیں پہنچاتا، اس لیے کہ اس کا سو فیصد کام کرنا بھی امتحان کے نظام کو خراب کرے گا۔ وہ مخفی نظام یہ ہے کہ خدا نے تمام انسانوں کو عقل و شعور دیا ہے، ان کے اندر دفاع و کوشش کا داعیہ رکھا ہے، ان کے جتھوں کو قوت عطا کی ہے، ان کے دلوں میں عدل و انصاف کا رعب رکھا ہے، ان میں سیاسی سوجھ بوجھ رکھی ہے، پھر حکمرانی عطا کی ہے کہ انصاف قائم ہو، عدل کا داعیہ اتنا قوی رکھا ہے کہ شاید ہی کوئی تہذیب ہو جس نے عدالت یا پنچایت نہ بنائی ہو۔ قوم، قبیلے اور افراد کی ہمدردی دلوں میں رکھی ہے، ایثار اور قربانی کا جذبہ رکھا ہے، حق چھننے پر غم و غصہ دلوں میں پیدا کیا اور انتقام کی آگ کا ایندھن سینوں میں رکھا ہے۔ قوموں اور قبیلوں کا ایک دوسرے پر سزا دینے کو چڑھ دوڑنے کا خوف رکھا ہے۔ معاشرے میں اگر ظالم ہیں تو عدل پسند بھی پیدا کیے ہیں تاکہ لوگ لوگوں پر ظلم کی راہ میں رکاوٹ بنتے اور عدل و انصاف قائم کرتے رہیں۔ اس سب کی نگرانی کے لیے ضمیر کا غیر متبدل زاجر اور نگران رکھا ہے، جو آخرت اور دنیا، دونوں کے نتائج سے ڈراتا ہے۔ اس کے علاوہ تکوینی پہلو بھی ہیں، جو آپ لوگوں کی مجلس میں کسی اگلی نشست میں بیان ہونے چاہییں، یہاں صرف اشارہ کیے دیتا ہوں کہ سورۂ کہف کے واقعۂ خضر میں بیان ہوئے ہیں۔ یعنی فرشتے اس دنیا میں مداخلت کر کے بناؤ بگاڑ کی دیکھ بھال

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کرتے رہتے ہیں، اس لیے مظلوموں کی دادرسی کے لیے خدا کا ہاتھ ان کے سروں پر مخفی طور پر سایہ فگن رہتا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ شر بمعنی مصیبت موجب جزا ہے۔ اس دنیا میں نہیں، آخرت میں اجر کی وجہ سے اس دنیا میں تنگی لاحق ہونے دی جاتی ہے۔ ظالم اپنے ظلم کی اور مظلوم اپنے دکھ کی پوری پوری جزا و سزا پائیں گے۔ مثلاً ساٹھ ستر سال کی مشقت بھری زندگی کے بعد دائمی راحت والے نقشۂ حیات میں مصیبت محنت کے قائم مقام معلوم ہوتی ہے جس کے بعد اس کا ثمرہ مل جاتا ہے۔ وہ معصوم بچہ جو اس مصیبت میں ڈال کر امتحان کا ذریعہ بنایا گیا، آخرت میں اس مشقت اٹھانے کی وجہ سے بڑے انعام کا مستحق ہوگا۔

چوتھی وجہ شر کے ثمرات ہیں، جو بچہ بیماری اور مصیبت سے گزرتا ہے، وہ دوسرے بچوں کے مقابلے میں زیادہ سمجھ دار اور مضبوط ہوتا ہے، اس لیے مصائب کو فوراً نہیں روکا جاتا تاکہ وہ اپنے اثرات ڈال سکیں۔ رمضان کے روزوں کی مثال سے سمجھیے کہ امتحان تو ہفتہ بھر کے روزوں سے بھی ہو سکتا تھا، مگر اس نے جو تقویٰ تیس دنوں میں پیدا کرنا ہے، وہ ہفتہ بھر کے روزوں سے نہیں ہو سکتا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

امتحان کی مکلفین سے مناسبت

امتحان میں شر کا امتحان متعدی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجرم و غیر مجرم، دونوں کا امتحان، صرف مصیبت زدہ کا امتحان نہیں ہے، بلکہ اس کا تو ہے ہی اس کے اردگرد رہنے والوں کے لیے بھی ہر آزمایش ایک ذریعۂ امتحان و عبرت ہے۔ مثلاً ننھے بچوں کی تکلیف بعض ماں باپ کے لیے نہایت مناسب امتحان ہوتا ہے۔ شاید بعض لوگوں کے لیے اپنی مصیبت سے بڑھ کر ان کے بچوں پر آنے والی تکلیف زیادہ مناسب (suitable) امتحان بنتی ہو۔ مثلاً میں اپنے اوپر قیاس کر سکتا ہوں کہ گردے کی پتھری کا بچپن سے مریض ہوں۔ بچپن سے اب تک بعض دن اور ہفتے ایسے آئے ہیں کہ تکلیف کی شدت سے ایک لمحے کے لیے بیٹھنا محال ہوتا ہے، اپنی طبیعت کے مطابق بھائیوں کو تنگ نہ کرتے ہوئے رات کے ایک ایک بجے اکیلا ہی اٹھ کر درد کا انجکشن لگوانے کے لیے چل پڑتا تھا۔ اس ساری تکلیف پر کراہا بھی ہوں، تڑپا بھی ہوں، کئی کئی راتیں جاگا بھی ہوں، دعائیں بھی کی ہیں، ہسپتالوں کی خاک بھی چھانی ہے۔ لیکن جب میرا پہلوٹا بیٹا پہلی دفعہ شدید بیمار ہوا تو میری نفسیاتی کیفیت اپنی اس تکلیف سے یکسر مختلف تھی۔ میں اس امتحان میں مختلف طرح سے ڈالا گیا تھا۔ میرے لیے یہ زیادہ صریح (acute and accurate) امتحان تھا۔ میں پہلے ایسا نہیں جانچا گیا تھا۔

اسی طرح کسی کو مالی، کسی کو جانی، کسی کو جنسی اور کسی کو عزت و جاہ کے امتحان میں ڈالا جاتا ہے۔ یہ ہمارے مزاج اور صلاحیتوں سے مناسبت رکھنے والے امتحان ہوتے ہیں۔ مثلاً بچوں کی بیماری یا ان کی موت بعض اشخاص کے لیے اتنا آسان امتحان ہوگا، جیسے کچھ روپے گم ہو جانا۔ کسی کے لیے اس کی انا کا ٹوٹنا اتنا بڑا امتحان ہوگا کہ جیسے عزیز ترین اولاد کا مر جانا یا کسی کے لیے دس روپے گم ہونا ایسا امتحان ہوگا کہ جیسے لاکھوں کھو گئے ہوں وغیرہ۔

اگر مختلف مزاج اور صلاحیت کے لوگوں پر ایک ہی طرح کا امتحان جاری کر دیا جائے تو یہ ناانصافی ہوگی۔ مثلاً افلاطون کے معیار کا سوال اگر ہر یونانی سے پوچھا جائے تو یہ ناانصافی ہوگی۔ سقراط کی گفتگوؤں کا نتیجہ کیا نکلتا تھا کہ بڑے بڑے دانش وراس کے سامنے دھول چاٹتے دکھائی دیتے تھے۔ یہ ان کی خامی نہیں تھی، سقراط کی خامی تھی کہ اس نے ہر باصلاحیت اور بے صلاحیت سے بلند سطح کے سوال کر ڈالے۔ ہم شاید خدا سے بھی یہی توقع رکھتے ہیں۔

اس ناانصافی سے بچنے کے لیے مکلّف کی مناسبت سے امتحان رکھے گئے ہیں۔ بچوں پر آنے والی تنگیاں، یقیناً معصومیت پر ظلم لگتا ہے، لیکن یہ تب ظلم ہے کہ اس کا اجر کبھی ملنے والا ہی نہیں ہے۔ خدا کی ہر مشکل کو صبر سے سہنے والا اجر عظیم پائے گا اور دنیا میں اس کے ثمرات سے فیض یاب بھی ہوگا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

شر دلیل انکار نہیں

اب شر کے مسئلے کو ایک اور زاویۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ فرض کریں کہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ملحدین کہہ رہے ہیں۔ تو اس سے خدا کا انکار کیسے لازم آتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ ـــــ نعوذ باللہ ـــــ خدا اچھا نہیں ہے۔ اس کو شر اچھا لگتا ہے۔ تب تو یہ ملحدین کے لیے اور بھی بری صورت حال ہے کہ وہ ہوسکتا ہے، خدا کے انکار اور اس کے مذاق اڑائے جانے پر، کسی وقت اور شدید صورت حال کا شکار کر دیے جائیں۔ یہ بالکل ویسی ہی غلطی ہے جیسے عہد حاضر کے ملحدین سے بگ بینگ کے نظریے کی رو سے ہو رہی ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ جب ہم نے کائنات کے بننے کا عمل جان لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نہیں ہے۔ اس کو اگر میں یوں کہوں کہ جیسے ہی مجھے کمپیوٹر بننے کا طریقہ معلوم ہو جائے تو اس کے موجد کا انکار کر دوں۔ سوچیے کیا یہ درست ہوگا؟ موجد کا انکار صرف اس وقت کیا جا سکتا ہے کہ جب موجد کے وجود کی ضرورت ثابت نہ ہو، صرف بننے کا طریقہ معلوم ہو جائے تو موجد کا انکار درست نہیں ہے۔ ذرا غور کیجیے، بگ بینگ جس ذرے یا مادے میں ہوا، اس کا خود بخود موجود ہونا ویسا ہی ہے جیسا ہم مذہبی لوگوں کا خدا کے خود بخود ہونے کو ماننا۔ اگر خدا کو خود بخود ماننا بے وقوفی ہے تو مادے کو خود بخود ماننا بھی ویسی ہی

بے وقوفی ہے۔ یہ اشکال تو کم از کم ختم ہو جاتا ہے کہ مادے کا خود بخود ماننا اگر ممکن ہے تو خدا کو ماننا کیوں ممکن نہیں ہے؟ اس کے جواب میں بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ مادے کا وجود آج ہمارے سامنے موجود ہے۔ اس لیے صبح ازل اس کا خود بخود ہونا مان لینا ہمارے لیے آسان ہے، لیکن خدا کا کوئی وجود ہمارے سامنے موجود نہیں ہے، اس لیے اس کا ماننا ہمارے لیے آسان نہیں ہے۔

یہی دراصل وہ فرق ہے جو ملحدین اور مذہبی لوگوں کے بیچ میں ہے۔ مذہبی لوگ مادے کو بے ارادہ اور بے عقل سمجھتے ہوئے اسے خالق ماننا غیر منطقی اور بے عقلی سمجھتے ہیں، اس لیے اسے بنا ہوا (created) مانتے ہیں۔ ان کے لیے کائنات کرسی اور میز کی طرح ہے، جسے دیکھ کر بنانے والے کو مانے بغیر چارہ نہیں ہے۔ مادہ اور اس کی مختلف حالتیں دراصل خالق کی نشانی ہیں۔ لیکن ملحدین اس مادے سے آگے جانے کو تیار نہیں ہیں، اس لیے کہ یہاں وہ اس استنتاج (inference) کے لیے تیار نہیں ہیں جس کا وہ سائنسی دریافتوں میں بے محابا استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً بگ بینگ کسی نے ہوتے نہیں دیکھا، سائنس دان اس ان دیکھے حادثے کو کائنات میں موجود آثار کی بنیاد پر infer کر کے مان رہے ہیں، اور زندگی کے آغاز کے بارے کوئی شاہد اور آثار نہ ہونے کے باوجود کچھ نظریات گھڑ لیے ہوئے ہیں۔ زندگی کے نسلیاتی ارتقا کو کسی نے ہوتے نہیں دیکھا، لیکن ایک پوری تھیوری بنا لی گئی ہے۔ لیکن یہی اربابِ استنتاج خدا کے بارے میں اس استنتاج (inference) کو حرام سمجھتے ہیں! حالاں کہ مادے کی موجودہ صورت میں موجودگی خدا تک لے جانے کے تمام آثار و شواہد رکھتی ہے۔

انسان نے کائنات کے وجود کے دو ہی نظریے آج تک دیے ہیں: ایک یہ کہ اسے کسی نے تخلیق کیا ہے۔ اکثر مذاہب، اور انسانوں کی اکثریت اسی کو مانتی ہے۔ دوسرا یہ نظریہ دیا گیا ہے کہ کائنات تو ہے ہی، اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ بنی کیسے ہے؟ اس دوسرے نظریے کے مطابق، یہ کائنات اور جو کچھ اس میں ہے، ان کی حقیقت ایک ہے۔ اس ایک حقیقی وجود نے کائنات کا روپ دھارا ہے۔ یونانی فلاسفہ کا عدد، پانی، مٹی، آگ، ہوا اور ایٹم وغیرہ کے نظریات اسی حقیقتِ واحدہ کے مختلف نام ہیں، جو خود کو کائنات میں ڈھال کر کائنات بن گئے۔ فلاطینوس (plotinus) نے کسی مادی شے کے بجائے محض وجود کو مانا اور کہا کہ دنیا الواحد (the one) سے بنی ہے۔ پھر مسلمان صوفیہ نے اسی نظریے کو عربی رنگ دے دیا اور ذاتِ محض (بحت) سے کائنات کا آغاز مانا، یہ ذات ہر طرح کی صفات و خصائص سے مجرد محض وجود رکھتی تھی، پھر کسی وقت اس ذات میں شعور اور صفات پیدا ہوئیں اور یہ مختلف حالات سے گزرتا ہوا انسان کی اعلیٰ ترین صورت میں ظاہر ہوا۔ ذرا غور کریں تو بگ بینگ کا نظریہ بھی کچھ اسی سے ملتا

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

جلتا ہے:

مادے کی ایک اکائی (singularity) یا مادۂ محض ازل سے موجود ہے، اس میں کسی وقت کسی نامعلوم سبب سے یا شاید شدید درجۂ حرارت کے سبب سے ایک تبدیلی آنی شروع ہوئی جس سے بگ بینگ ہوا اور مادہ مختلف شکلیں بدلتا ہوا پہلے کائنات اور پھر زندگی کے روپ میں ظاہر ہوا اور زندگی بالآخر اور تا حال انسان کی بلند ترین ہستی کی صورت میں وجود پذیر ہوئی۔ یہاں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ مسلمان صوفیہ کا نظریہ ہی سائنسی زبان میں بیان کر دیا گیا ہے۔ وحدت الوجود میں ذاتِ محض کے مدارج محض rational ہیں، لیکن بگ بینگ میں ذاتِ محض (مادے) کے مدارج سائنسی (empirical) ہیں۔ اس فرق کے سوا وحدت الوجود اور بگ بینگ کے نظریات میں کچھ فرق نہیں ہے۔ شاید خدا کو فراموش کر کے یہی ایک نظریہ انسان کے ذہن میں پیدا ہو سکتا ہے۔

معافی چاہتا ہوں، بات سمجھانے کے لیے موضوع کے دوسرے پہلو کی طرف چلا گیا تھا، نظریۂ شر کی طرف دوبارہ لوٹتے ہیں۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ شر کا پایا جانا خدا کے نہ ہونے کو ثابت نہیں کرتا۔ بس اتنا ہی ثابت کرتا ہے کہ اگر خدا نے یہ راستہ اپنایا ہے تو یہ ہمیں غلط لگتا ہے۔ لیکن یہ سٹفن کووی کے کپتان کی روش ہے۔ جس نے اپنے خیال کو حقیقت تصور کر لیا ہے۔ اب میں ایک sweeping statement دینے لگا ہوں، جس کی تردید ممکن نہیں، جس طرح اس خیال کی تردید ممکن نہیں ہے کہ ہماری دنیا میں موجود تمام اجسام جگہ گھیرتے ہیں۔ ذرا توجہ سے سنیے گا، انسان کے دریافت کردہ سارے علم کی حقیقت سٹفن کووی کے کپتان کی سوچ جیسی ہے۔ جب تک حقیقت کھل کر سامنے نہیں آجاتی، اسے اپنی دریافت درست لگتی ہے۔ وہ اپنی بات کے غلط ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس لیے کہ انسان اپنے جسمانی (biological) اور بالخصوص ذہنی (mental) حدود سے باہر نہیں نکل سکتا۔ وہ سب چیزوں کو اسی محدودیت میں دیکھتا اور سمجھتا ہے۔ خواہ کتنی ہی دوربینیں اور خوردبینیں استعمال کر کے اپنی جسمانی صلاحیتوں کو بڑھا لے۔ مثلاً جو رنگ اس کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی، وہ کبھی نہیں دیکھ سکتا۔ اسی طرح جس انداز کا اس کو ملکۂ استنتاج (ability to infer) مبدءِ فطرت سے عطا ہوا، اس نے ویسے ہی سوچنا ہے۔ اس کو بدل نہیں سکتا۔ اوپر بگ بینگ اور وحدت الوجود کی یکسانیت کو بطور مثال سمجھیں، اور میرے اس نظریے پر غور کریں۔ ان شاء اللہ فائدہ ہو گا، (ازراہ تفنن)۔

شر کی دو قسمیں

ایک شر وہ ہے جو تخلیق میں دکھائی دیتا ہے، اس شر کو ہم خدا کی تخلیق کا حصہ مان سکتے ہیں۔ مثلاً موت کی موجودگی،

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

کسی کا معذور پیدا ہونا، بیماریوں کا ہونا، سب کے لیے یکساں رزق اور مواقع کا نہ ہونا، یہ سب خلق کا حصہ ہیں۔لیکن فرعون کا بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنا، چودھری کا ظالم ہونا، حکمرانوں کا ظالمانہ رویہ، ہالوکاسٹ وغیرہ دوسری قسم کا شر ہے۔ جو ہم انسانوں کی آزادی کے ناجائز فائدہ اٹھانے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ دونوں بالآخر خدا کی دنیا میں ہوتے ہیں، اس لیے خدا کو ماننے والے دونوں کا جواب دینے کے ذمہ دار ہیں۔

میں نے اپنے عہد طالب علمی میں ایک کتاب لکھی تھی: ''ہم پر مشکلیں کیوں آتی ہیں؟''۔ میں نے اس کتاب میں دنیا میں شر کی موجودگی کا ایک جواب دیا تھا۔ اس بحث میں بہت سے نکات کے ساتھ ساتھ ایک نکتہ یہ بھی تھا کہ خداے بابرکت نے شر کو ذریعۂ خیر بنایا ہوا ہے۔ دونوں قسم کا شر خدا نے آزمایش اور زندگی کے نظام کے چلنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ مثلاً شر کی موجودگی خیر کو سمجھنے کا ذریعہ ہے، میرے ساتھ ہونے والا شر میرے شعور کو دوسروں کے ساتھ ہونے والے شر سے پیدا تکلیف کو محسوس کرنے کے قابل کرتا ہے، اس سے انسانی ہمدردی کا وہ شعور پنپتا ہے جو شاید شر سے پاک زندگی میں پیدا ہی نہ ہوتا۔ ملحدین کا نوتراشیدہ مذہب Humanism اسی شعور پر کھڑا ہے۔ گویا:

میر کیا سادے ہیں، بیمار ہوئے جس کے سبب
اُسی عطّار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں[12]

شر مرض ہے، مگر یہی تریاق (علاج) کرتا ہے۔ آج کی میڈیسن کی تمام تر ترقی کا انحصار امراض کی موجودگی کی وجہ سے ہے۔ بڑی بڑی عمارتیں غریب مزدوروں کے کندھوں پر کھڑی ہیں۔ میری آپ کی فریج میں پھل سبزی کسانوں کی مشقت کا ثمر ہے۔ مِلوں کی کلوں (machines) میں غریبوں کا خون دوڑتا ہے۔ یہ زندگی کا نقشہ بہت ذہانت سے بنایا گیا ہے، جس کو قرآن مجید نے ایک جملے میں سمو دیا ہے، ہم نے متاع ہاے زندگی کو انسان میں فرق کے ساتھ بانٹا ہے، کچھ کو زیادہ دیا اور بعض کو کم تاکہ وہ ایک دوسرے کے کام آئیں[13] اور زندگی کا پہیہ چلتا رہے۔ مثلاً اگر سب ایک ہی درجے کے لوگ ہوتے تو کون ڈاکٹری سیکھتا اور کون کھیتی؟ کون گھر بنواتا اور کون مزدوری کرتا؟ کون مسئلۂ شر کا سوال اٹھاتا اور کون اس کا جواب دیتا؟ اس زندگی کو آزمایش گاہ بنانے کے لیے یہ ایک شان دار نقشہ ہے۔ یہاں مال، مواقع اور صلاحیتیں یوں بانٹ دی گئی ہیں کہ ہر شخص سماج کا ایک کارآمد پرزہ ہے۔ میں آپ کا خدمت گار ہوں آپ میرے خدمت گار ہیں۔ مریض ڈاکٹر کا گاہک ہے اور ڈاکٹر مریض کا خدمت گار ہے، وغیرہ۔

۱۲؎ یعنی جس شر کی بنیاد پر ملحدین روایتی مذہب کے منکر ہوئے اسی شر پر انھوں نے بے خیالی میں نئے مذہب کو تعمیر کیا ہے۔

۱۳؎ الزخرف ۴۳: ۳۲۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دوسرا شر جو انسان اپنے ظلم و جبر سے پیدا کرتے ہیں۔ وہ قرآن کے مطابق اس لیے ہے کہ انسان کو خلیفہ بنایا گیا ہے[14]۔ خلیفہ کے ایک معنی یہ ہیں کسی کی عدم موجودگی میں نگران و مالک ہونا۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب میں ہیں اور اس غیب میں رہتے ہوئے انسان کو اللہ تعالیٰ نے زمین اور اس پر موجود چیزوں کا مالک بنا دیا ہے[15]۔ وہ ایک دائرے میں اس کے سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ یہ علم اور یہ ایجادات اسی خلافت کے مرہون منت ہیں۔ خلافت کا یہ احساس انسان کے رگ و پے میں ہے۔ جب کسی کے پاس اقتدار آ جاتا ہے، تو خلافت کا اختیار پورے کا پورا اسے مل جاتا ہے۔ یہ احساس اسے فرعون و نمرود بنا سکتا ہے۔ صرف خدا خوفی ہی ایک ایسی چیز ہوتی ہے جو اس کے ہاتھ اور پاؤں کو ظلم سے روکتی ہے، جو اسے ذوالقرنین، یوشع اور ابوبکر و عمر بنا دیتی ہے۔

یہ قوت اگر انسان کو علم میں مل جائے تو وہ اس میدان میں بھی موسیٰ و فرعون پیدا کرتی ہے۔ خدا نے اگر انسان کو خلافت کے داعیات و صلاحیتیں نہ دی ہوتیں تو سقراط و فلاطون، ابن الہیثم، ابن سینا، ابن رشد، آئن اسٹائن اور نیوٹن وغیرہ نہ ہوتے۔ بلکہ ہم بندروں کی طرح غاروں اور درختوں پر بسیرا کیے ہوتے۔ اقتدار نے بھی موسیٰ و فرعون پیدا کیے اور علم نے بھی۔ نہ اقتدار اپنی اصل میں شر تھا اور نہ علم۔ اس لیے یہ علم انکار خدا کی طرف بھی لے جاتا ہے اور اقرار خدا کی طرف بھی۔ تقریباً یہی جواب اللہ نے فرشتوں کو دیا تھا، جب خلافتِ آدم پر انھوں نے سوال اٹھا دیا تھا کہ خلافت پا کر آدم تو خون ریزی کرے گا، تو اللہ نے بتایا تھا کہ نہیں صرف خون ریزی نہیں کرے گا، یہاں موسیٰ و عیسیٰ بھی ہوں گے اور فرعون و شداد بھی ہوں گے۔ یہ خلافت ملنے کا لازمی اقتضا تھا، جو آدم کی امتحان گاہ کا لازمی وصف بننے جا رہا تھا۔

میری اس وضاحت کے بعد یہ سوال پھر بھی اٹھایا جا سکتا ہے کہ اگر ایسا ہی ہے کہ شر اس کائنات میں آزمایش کے لیے رکھا گیا ہے تو آیا خدا کو اپنی عقل کامل سے کوئی اور طریقہ کیوں نہیں سوجھا؟ وہ آزماتا ہی نہ، اور اگر آزماتا تو شر کے بغیر آزما لیتا؟

اس سوال کا اصل جواب تو یہی ہے کہ جب خدا سے ملیں گے تو یہ خود خدا سے پوچھیں گے۔ اس لیے کہ دنیا میں فکری آزادی دی گئی ہے۔ اچھے سے اچھے کام پر یہ تبصرہ ہو سکتا ہے کہ یوں کیوں نہیں کیا؟ یہ نہ ہوتا تو کیا بہتر نہیں تھا؟ وغیرہ۔ خاص طور سے جس چیز سے انسان کو تنگی محسوس ہو، اس کے بارے میں وہ یہ فوراً تبصرہ کر دیتا ہے۔

---

[14] البقرہ ۲: ۳۰۔

[15] یٰسٓ ۳۶: ۷۱-۷۲۔

یقیناً آزمانے کے بے شمار طریقے ہو سکتے تھے، لیکن جیسا کہ ہم نے شر کی خصوصیات کا ذکر کیا، انسانوں کی تخلیق جس ڈھنگ سے کی گئی ہے، اس کے لیے یہی امتحان بہترین ہے۔ دوسری مخلوقات کو اگر امتحان میں ڈالا گیا ہے تو ان کے لیے ان کے مناسبِ حال طریقہ ہوگا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ گدھے کو اس کی کھریوں کے ساتھ خلیفہ بنا دیا جاتا تو ذہین ہونے کے باوجود ایک آلہ بھی ایجاد نہ کر سکتا، کیونکہ آلات کی ایجاد کے لیے انگلیوں والے مینا کاری کر سکنے والے ہاتھوں کا ہونا ضروری ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر جان دار کو اس کے ماحول کے مطابق وموافق بنایا گیا ہے۔ شیر گوشت خور ہے تو اس کے دانت پنجے وغیرہ ایسے ہی بنے ہیں، بکری سبزی خور ہے تو اس کا منہ اور کُھر اسی مناسبت سے بنے ہیں۔ ہمیں امتحان کے لیے بنایا گیا ہے تو ہمیں اسی کے موافق ذہن وقویٰ دیے گئے ہیں۔ چنانچہ اگر شیر، چیتے اور دیگر جانوروں کے لیے جنگل کی مشکلات ان کی حیات کے سامان ہیں، تو ایسے ہی انسان کی حیات کی مشکلات اس کی زندگی کا سامان ہیں۔ انسان انھی حالات میں پھلتا پھولتا اور ترقی کرتا ہے۔ وہ معاملہ ہے جو کسی شاعر نے بیان کیا ہے کہ:

تندیِ بادِ مخالف سے نہ گھبرا، اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

انسان کی تین قوتوں پر قرآن نے آزمایش کے لحاظ سے توجہ دلائی ہے۔ ایک حبِ مال، دوسرے انا اور تیسرے جنس۔ پھر اس کے ضمیر اور اس کے مزاج کا ذکر کیا ہے، پھر بتایا ہے کہ اللہ نے اسے راہ حیات کا سبق سکھا کر بھیجا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ کیا کرنا اور کیا نہیں کرنا ہے۔ مشکلیں آئیں تو اس نے ان سے کیسے نبرد آزما ہونا ہے۔ مصائب سے نبٹنے کی یہ صلاحیت اتنی زیادہ ہے کہ عہد حاضر کی سہولتوں کی فراہمی اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ درد کُش (pain killer) ادویہ سے لے کر معالجے والی اعلیٰ مشینری تک، پاؤں کی چپل سے لے کر فضاؤں میں اڑتے جہازوں تک، گھر کے پکے فرشوں سے لے کر نرم وگرم صوفوں اور غالیچوں تک، پنکھوں سے لے کر اے سی اور فریجوں تک کی ایجادات کیا یہ نہیں بتاتیں اگر زندگی میں مشکلات رکھی گئی ہیں تو ـــــ شیر کو شکار کے لیے پنجے اور جبڑے عطا کرنے کی طرح ـــــ انسان کو یہ ہنرِ ایجاد دیا گیا ہے۔ خود انسان جس ظلم کو وجود پذیر کرتے ہیں، اس کا معاملہ بھی یونہی ہے۔ کیا اس نے قبیلے کی پنچایت سے آج کی عدالتیں، مجرموں کو پکڑنے کے لیے ڈی این اے تک کا سفر نہیں کر لیا ہے۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر مشکلات ومصائب دنیا میں نہ ہوتے، تو ترقی کا یہ سفر شروع ہی نہ ہوتا، جو پتھر کا چاقو بنانے سے لے کر ڈیجیٹل دور تک ہوا ہے۔ غالب کے مصرع کو بدلتے ہوئے کہنا چاہتا ہوں:

ان مشکلوں پہ کون نہ مر جائے اے خدا!

شر کو بس مارکس کی نظر سے نہ دیکھیں، آزمایش اور نظریۂ حیات کے طور پر دیکھیں تو یہ ایک شان دار لائحۂ عمل ہے۔ یہی طریقۂ آزمایش ہی انسان جیسی مخلوق کے شایان شان تھا، اگر اس سے ہلکا کوئی طریقۂ آزمایش بنایا جاتا تو یہ انسان کی توہین تھی۔

خدا نے شاید اسی لیے کہا ہے:

''ہم نے انسان کو بہت سی مخلوقات کے مقابلے میں عزت بخشی ہے۔[16]''

لیکن وہ اپنی صلاحیتوں کے برعکس جب ''تھڑ دلا بنتا ہے تو آزمایشوں پر چیختا ہے کہ خدا نے مجھے رسوا کر دیا، جب خوش حالی آتی ہے تو اٹھلاتا ہے دیکھو خدا نے مجھے کیا شان دی ہے۔[17]''

بس یہی وہ تھڑ دلا پن ہے جس کی وجہ سے انسان تنگی کو متاع حیات سمجھنے کے بجائے سامانِ رسوائی سمجھنے لگتا ہے۔ اور یہیں سے وہ تنگی کی حکمت سمجھنے کے بجائے خدا سے بدگمان ہونے لگتا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

---

[16] بنی اسرائیل ۱۷: ۷۰۔

[17] الفجر ۸۹: ۱۵-۱۶۔

ڈاکٹر عرفان شہزاد

قانونِ اتمامِ حجت اور اس کے اطلاقات
نمایاں اعتراضات کا جائزہ

(۴)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اہل کتاب کا شرک

قرآن مجید میں اہل کتاب، بشمول اہل تثلیث کو خالصتاً اصطلاحی مشرک نہیں گردانا گیا ہے۔ قرآن مجید میں 'اَلْمُشْرِکُوْن' کی اصطلاح مشرکین عرب کے لیے استعمال کی گئی ہے، اہل کتاب کے لیے نہیں۔ مشرکہ عورت سے مسلم مرد کا نکاح حرام ٹھیرایا گیا، لیکن اہل کتاب کی خواتین سے مسلم مردوں کو نکاح کی اجازت دی گئی، مشرکین کے ہاتھ کا ذبیحہ مسلمانوں کے لیے حرام قرار دیا گیا، جب کہ اہل کتاب کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال کیا گیا۔ ان امتیازات اور رعایات سے واضح ہو جاتا ہے کہ انھیں اصطلاحی مشرک نہیں سمجھا گیا۔ اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے اتمام حجت کے بعد مشرکین کی سزا، یعنی قتل کے بجائے ان کے لیے محکومی کی سزا مقرر کرنا اسی رعایت کا حصہ ہے۔

اصطلاحی مشرک دراصل وہ ہوتا ہے جو اپنے شرک کی تاویل نہ کرے، وہ تسلیم کرے کہ خدا کے ساتھ دیگر ہستیاں بھی خدا کے کاموں اور عبادت کے استحقاق میں شریک ہیں، گویا مشرک وہ ہے جو شرک کو بطور مذہب مانتا ہو۔ عرب

کے مشرکین اپنے شرک کی تاویل نہیں کرتے تھے اور شرک کو بطور مذہب اختیار کر چکے تھے، وہ خدا کے علاوہ دیگر ہستیوں کو خدائی کاموں اور عبادت کے استحقاق میں شریک مانتے تھے؛ لیکن اہل کتاب کا یہ معاملہ نہیں تھا۔ اہل کتاب میں سے یہود تو نزول قرآن کے دور میں بھی خالص توحید پر قائم تھے، اور اب بھی ہیں، تاہم مسیحیوں کے تثلیث کے عقیدے کو قرآن مجید میں اگرچہ شرک کہا گیا ہے، لیکن انھیں بھی اصطلاحی مشرک نہیں سمجھا گیا، وجہ یہی تھی کہ وہ اپنے عقیدۂ تثلیث کی تاویل کرتے تھے، ان کا یہی کہنا تھا کہ خدا ایک ہی ہے، مسیح علیہ السلام اور روح القدس، خدا کی ذات کے دو مزید اظہار ہیں۔ مسیحی خود کو موحد ہی گردانتے تھے۔ مزید یہ کہ وہ اپنے تثلیث کے عقیدے پر اپنی مذہبی کتب سے استدلال بھی کرتے تھے، یعنی کسی درجے میں دلیل بھی رکھتے تھے، لیکن کھلے شرک کا معاملہ یہ ہے کہ اس کی کوئی دلیل سرے سے ہے ہی نہیں۔ بلا تاویل شرک کرنے والا اپنے علم و عقل پر بڑا بہتان باندھتا ہے:

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا.

(النساء ۴: ۴۸)

”اور (اِس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ) جو اللہ کا شریک ٹھیراتا ہے، وہ ایک بہت بڑے گناہ کا افترا کرتا ہے۔“

اس لیے خدا نے کھلے شرک کی کوئی معافی نہیں دی، لیکن اہل کتاب میں سے یہود کے علاوہ مسیحیوں کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے آخری دفعہ اتمام حجت کے بعد بھی ان کے شرک بالتاویل کی وجہ سے سزا میں رعایت ملی، قتل کے بجائے محکومی کی سزا دی گئی، اس محکومی کی علامت جزیہ کی ادائیگی تھی۔ اسی طرح یہود کو اس سے پہلے مسیح علیہ السلام کا انکار کرنے پر استیصال کے بجائے مسیحیوں کے ماتحت تا قیامت محکومی کی سزا دی گئی، وجہ یہی تھی کہ وہ توحید سے وابستہ تھے، جب کہ استیصال کی سزا شرک کے ساتھ مخصوص ہے:

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ.

(آل عمران ۳: ۵۵)

”(اے عیسیٰ)، تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت کے دن تک اِن منکروں پر غالب رکھوں گا۔ پھر تم سب کو بالآخر میرے پاس آنا ہے۔ سو اُس وقت میں تمھارے درمیان اُن چیزوں کا فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔“

کیا شرک بالتاویل آخرت میں بھی رعایت کا مستحق ہے؟

ایک ضمنی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے شرک بالتاویل پر جو رعایت انھیں اس دنیا میں ملی، کیا ایسی ہی رعایت انھیں قیامت کبریٰ میں بھی ملے گی، کیونکہ ہم نے شروع میں یہ عرض کیا تھا کہ قیامت صغریٰ، قیامت کبریٰ کا

نمونہ ہے اور دونوں میں عدل کے ضوابط یکساں ہیں۔قرآن مجید کی روشنی میں اس سوال کا جواب ہم اثبات میں پاتے ہیں:

جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا تھا کہ انسان پر اتمام حجت اس کی فطرت، انفس و آفاق کی گواہی اور اس کو میسر علم و عقل کے ذریعے سے بھی ہوتا ہے، ایمان کے معاملے میں عقل وفہم کے استعمال کے بعد ضمیر کا اطمینان بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ضمیر کا یہ اطمینان عقل وفہم کے استعمال کے بعد کسی غلط نتیجے پر بھی ہوسکتا ہے۔اس لحاظ سے انفرادی طور پر ہر ایک کے ایمان وعقیدے کا حساب قیامت میں خدا کے پورے علم کی روشنی میں ہوگا۔مسیحیوں کے ساتھ حادثہ یہ ہوا کہ ان کو تثلیث کے شرکیہ عقیدے کی تعلیم ان کے مذہبی لٹریچر اور مسیح علیہ السلام سے منسوب روایات کے ذریعے سے دی گئی۔اس لحاظ سے ان پر مزید حجابات قائم ہوگئے۔چنانچہ ہم قرآن مجید میں دیکھتے ہیں کہ انھیں مزید رعایت ملنے کا امکان بتایا گیا ہے، اور یہ خدائے عادل کے عدل کے مطابق بھی ہے۔سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن وہ نبیوں سے ان کی امت کے ان افراد کے بارے میں سوال کرے گا جو رسول کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ان کے پیروکار بنے۔انبیا ان سے اپنی لاعلمی کا اظہار کریں گے۔اس موقع پر تمام انبیا کا اجمالی جواب نقل ہوا ہے، لیکن مسیح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا مفصل مکالمہ نقل ہوا ہے۔اور اسی میں اس سوال کا جواب ہے۔آیات ملاحظہ کیجیے:

وَاِذۡ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِىۡ وَاُمِّىَ اِلٰهَيۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ قَالَ سُبۡحٰنَكَ مَا يَكُوۡنُ لِىۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ مَا لَيۡسَ لِىۡ بِحَقٍّ اِنۡ كُنۡتُ قُلۡتُهٗ فَقَدۡ عَلِمۡتَهٗ تَعۡلَمُ مَا فِىۡ نَفۡسِىۡ وَلَاۤ اَعۡلَمُ مَا فِىۡ نَفۡسِكَ اِنَّكَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ. مَا قُلۡتُ لَهُمۡ اِلَّا مَاۤ اَمَرۡتَنِىۡ بِهٖۤ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىۡ وَ رَبَّكُمۡ وَكُنۡتُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا مَّا دُمۡتُ فِيۡهِمۡ فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِىۡ كُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِيۡبَ عَلَيۡهِمۡ وَاَنۡتَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ. اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ وَاِنۡ تَغۡفِرۡلَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ. قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوۡمُ يَنۡفَعُ الصّٰدِقِيۡنَ صِدۡقُهُمۡ لَهُمۡ جَنّٰتٌ	”اور یاد کرو، جب اللہ پوچھے گا: اے مریم کے بیٹے عیسیٰ، کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا تم مجھے اور میری ماں کو معبود بنالو۔وہ عرض کرے گا: سبحان اللہ، یہ کس طرح روا تھا کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں ہے۔اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو آپ کے علم میں ہوتی، (اِس لیے کہ) آپ جانتے ہیں جو کچھ میرے دل میں ہے اور آپ کے دل کی باتیں میں نہیں جانتا۔تمام چھپی ہوئی باتوں کے جاننے والے تو آپ ہی ہیں۔میں نے تو اُن سے وہی بات کہی تھی جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمھارا بھی۔میں اُن پر نگران رہا، جب تک میں اُن کے درمیان تھا۔پھر

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ. لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا فِیۡهِنَّ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ.

(۵: ۱۱۶-۱۲۰)

جب آپ نے مجھے وفات دی تو اُس کے بعد آپ ہی اُن کے نگران رہے ہیں اور آپ ہر چیز پر گواہ ہیں۔ اب اگر آپ انھیں سزا دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر معاف کر دیں تو آپ ہی زبردست ہیں، بڑی حکمت والے ہیں۔ اللہ فرمائے گا: یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کی سچائی اُن کے کام آئے گی۔ اُن کے لیے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ زمین و آسمان اور اُن کے اندر تمام موجودات کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اس مکالمے میں عیسیٰ علیہ السلام اپنے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد، اپنی اور اپنی والدہ کی ذات کے بارے میں گھڑے جانے والے غلط عقائد پر ایمان لے آنے والوں اور اس کے نتیجے میں خدا کے ساتھ شرک کرنے والوں کی مغفرت کا نہ صرف امکان ظاہر فرما رہے ہیں، بلکہ سفارش بھی فرما رہے ہیں۔

اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سفارش کے جواب پر غور کیجیے۔ پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے مشرکین کی سفارش کرنے سے منع نہیں فرمایا دیا، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو ان کے والد، آذر کے لیے دعاے مغفرت کرنے سے یہ کہہ کر منع کر دیا تھا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے، اس کی مغفرت نہیں ہو سکتی:

وَمَا كَانَ اسۡتِغۡفَارُ اِبۡرٰهِیۡمَ لِاَبِیۡهِ اِلَّا عَنۡ مَّوۡعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنۡهُ اِنَّ اِبۡرٰهِیۡمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیۡمٌ.

(التوبہ ۹: ۱۱۴)

''ابراہیم نے تو اپنے باپ کے لیے صرف اُس وعدے کے سبب سے مغفرت مانگی تھی جو اُس نے اپنے باپ سے کر لیا تھا۔ مگر جب اُس پر واضح ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو وہ اُس سے بے تعلق ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم بڑا نرم دل اور بردبار تھا۔''

آذر کے پاس اپنے کفر کا کوئی عذر نہیں بچا تھا، اس لیے اس کے حق میں ابراہیم علیہ السلام کی سفارش قبول نہ ہوئی۔ اس کے برعکس یہاں اللہ نے مسیح سے یہ نہیں کہا کہ یہ لوگ تو مشرک ہیں ان کی مغفرت نہیں ہو سکتی، بلکہ فرمایا

کہ آج ان میں سے سچوں کی سچائی اُن کے کام آئے گی، بلکہ یہ بھی فرمایا کہ وہ انعامات سے بھی نوازے جائیں گے۔ یعنی جو لوگ پوری دیانت داری سے، ضمیر کے اطمینان کے ساتھ شرک بالتاویل اختیار کیے رہے، نیز سچائی جاننے کے ذرائع، یعنی کتب الٰہیہ سے بھی انھیں بجاے رہنمائی کے اسی شرک کی تعلیم دی گئی، اور وہ تاویلات کی بھول بھلیوں میں اس شرکیہ عقیدہ کو تسلیم کر بیٹھے اور دیانت داری سے ایک خدا کو اس کے مختلف مزعومہ مظاہر میں پوجتے رہے، ان کو نہ صرف مغفرت ملے گی، بلکہ انعامات سے بھی نوازے جائیں گے۔

عیسیٰ علیہ السلام اور خدا کے درمیان زیر معاملہ لوگوں کے اس مجموعہ میں، البتہ، ایسے افراد کے شامل ہونے کا بھی پورا امکان موجود ہے جن پر ان عقائد کی غلطی واضح ہوگئی ہوگی، لیکن وہ اپنے ضمیر کے خلاف، روایتی عقیدے کو اختیار کیے رہے، ایسے لوگ مغفرت کے مستحق نہیں ہوں گے، لیکن چونکہ ان کا درست علم خدا کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہوسکتا، اس لیے عیسیٰ علیہ السلام نے اجمالی سفارش کر کے سارا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا، چنانچہ اللہ نے ان تمام مسیحیوں میں سے بخشش اور انعامات کا مستحق صرف انھیں قرار دیا جو دیانت داری سے تاویل کی غلطی کی وجہ سے اس غلط عقیدے پر قائم رہے، لیکن وہ کوئی ارادی کافر نہ تھے، جنھوں نے حقیقت جان لینے کے بعد جان بوجھ کر انکار کر دیا ہو۔ درحقیقت، حقیقت کا جان بوجھ کر انکار ہی وہ کفر ہے جو عذاب کا مستحق بناتا ہے، یہ کفر خواہ فطرت کی گواہی کا انکار ہو یا انبیا کی دعوت سے روگردانی اختیار کی گئی ہو، ہر صورت میں عذاب کا مستحق ہے۔ قرآن مجید کا عمومی قانون یہی معلوم ہوتا ہے کہ عذاب کی تمام وعیدیں حقیقت کا جان بوجھ کر انکار کرنے پر بتائی گئی ہیں۔ درج ذیل آیت میں بھی یہ بیان موجود ہے کہ اہل تثلیث میں سے وہی لوگ عذاب کے مستحق ہوں گے جنھوں نے حقیقت جان کر بھی انکار کیا نہ کہ سب مسیحی:

فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَيۡنِهِمۡ فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ مَّشۡهَدِ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ. (مریم ۱۹: ۳۷)

''مگر اُس (مسیح) کے ماننے والوں کے اندر سے مختلف فرقوں نے باہم اختلاف کیا۔ سو (اب) اُن کے لیے جنھوں نے (اِن حقائق کا) انکار کر دیا ہے، ایک ہول ناک دن کی حاضری کے باعث خرابی ہے۔''

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ معاملہ خدا کے قوانین عدل کے مطابق ہے۔ یہ معاملہ محولہ بالا آیت میں مذکور مسیحیوں کے ساتھ ہی خاص نہیں، جو مسیح اور ان کی والدہ کو خدا بنا بیٹھے تھے۔ ایسی صورت حال جہاں بھی پائے جائے گی یہی اصول لاگو ہوگا۔

اسی تناظر میں ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا دیکھیے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ. رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.

(ابراہیم ۱۴: ۳۵-۳۶)

’’اِنھیں وہ واقعہ سناؤ، جب ابراہیم نے دعا کی تھی کہ میرے پروردگار، اِس شہر کو امن کا شہر بنا اور مجھے اور میری اولاد کو اِس سے دور رکھ کہ ہم بتوں کو پوجنے لگیں۔ پروردگار، اِن بتوں نے بہت لوگوں کو گمراہی میں ڈال دیا ہے۔ (یہ میری اولاد کو بھی گمراہ کر سکتے ہیں)، اِس لیے جو (اُن میں سے) میری پیروی کرے، وہ میرا ہے اور جس نے میری بات نہیں مانی، (اُس کا معاملہ تیرے حوالے ہے)، پھر تو بخشنے والا ہے، تیری شفقت ابدی ہے۔‘‘

ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا مسیح علیہ السلام کی دعا کے مثل ہے۔ اس آیت میں گمراہ ہو جانے والوں سے مراد مشرک ہو جانا ہے۔ اس پر مولانا امین احسن اصلاحی کے الفاظ بیانِ مدعا کے لیے کفایت کرتے ہیں:

’’یہ اپنی اولاد میں سے ان لوگوں سے اعلان براءت ہے جو ان کے طریقہ سے ہٹ کر شرک و بت پرستی میں مبتلا ہوں۔ فرمایا کہ جو اس معاملہ میں میری پیروی کریں وہ تو بے شک مجھ سے اور میرے زمرے میں سے ہیں اور جو میری راہ سے ہٹ کر شرک میں مبتلا ہوں ان کا معاملہ تیرے حوالہ ہے، تو ان کے ساتھ وہ معاملہ کرے گا جس کا تو ان کو مستحق پائے گا۔ تو غفور رحیم ہے، تجھ سے کسی ناانصافی کا اندیشہ نہیں۔ جو رحمت کے سزاوار ہوں گے وہ اس سے محروم نہیں رہیں گے۔‘‘ (تدبر قرآن ۴/ ۳۳۳)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بنی اسرائیل کی تا قیامت محکومی کی سزا

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ. (آل عمران ۳: ۵۵)

’’اُس وقت، جب اللہ نے کہا: اے عیسیٰ، میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تجھے وفات دوں گا اور اپنی طرف اٹھا لوں گا اور (تیرے) اِن منکروں سے تجھے پاک کروں گا اور تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت کے دن تک اِن منکروں پر غالب رکھوں گا۔ پھر تم سب کو بالآخر میرے پاس آنا ہے۔ سو اُس وقت میں تمھارے درمیان اُن چیزوں کا فیصلہ

کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔‘‘

چند اشکالات

مذکورہ بالا آیت کی رو سے یہود کی تا قیامت محکومی کی سزا پر یہ اشکالات پیش کیے جاتے ہیں:

پہلی بات یہ کہ یہ معاملہ کس ضابطے کے تحت کیا گیا ہے؟ مسیح علیہ السلام کے وقت میں ان کا انکار کرنے والوں کی سزا تا قیامت آنے والی بنی اسرائیل کی نسلوں کو کیوں دی گئی؟ یہاں مسیح علیہ السلام کا اتباع کرنے والوں سے کون مراد ہیں جو یہود پر تا قیامت حاکم رہیں گے؟ مسیح علیہ السلام کے براہ راست پیروکاروں کو تو اپنے دشمن یہود پر غلبہ نہیں ملا تھا اور بعد والے مسیحی، مسیح علیہ السلام کی تعلیمات گم کر چکے تھے، تثلیث اور دیگر بدعات کا شکار ہو گئے تھے اور وہ مسیح علیہ السلام کے متبعین کہلانے کے مستحق نہیں، مسلمان بھی یہاں مراد لینا مشکل ہے، کیونکہ یہود مسلمانوں کے تحت مسلسل محکوم بھی نہیں رہے، تو اس آیت میں متبعین مسیح سے کون لوگ مراد ہیں جو یہود پر تا قیامت مسلسل مسلط رہیں گے؟

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ان اشکالات کے جواب میں عرض ہے کہ یہود کی یہ ذلت انبیا کے انکار و قتل کے بعد ان پر مسلط کرنا خدا کا قانون تھا جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اسی عمومی قانون کا یہ ایک خصوصی اظہار ہے۔ رہا یہ سوال کے یہ جرم یہود کی بعد کی نسلوں نے نہیں کیا، پھر ان کو سزا کیوں مل رہی ہے تو بات یوں ہے کہ یہود کی بعد کی نسلوں پر بھی ان کے مذہبی لٹریچر اور ان کی مسلّمہ مذہبی تاریخ کی وجہ سے مسلسل اتمام حجت ہوتا آ رہا ہے۔ بائیبل کے عہد قدیم میں درج مسیح علیہ السلام کی آمد کی پیشین گوئیوں، خود انجیل کی مسلسل موجودگی، انجیل میں ہونے والی تحریف کے باوجود مسیح علیہ السلام اور ان کے بنیادی پیغام کا ہمیشہ ویسا ہی واضح اور قطعی رہنا جیسے مسیح علیہ السلام نے اپنے اولین مخاطبین کو بتایا تھا، نیز ان کی تاریخ میں بھی مسیح علیہ السلام کے اتمام حجت کی سرگذشت کے بعد ان کی ہر نسل پر مسلسل اتمام حجت ہوا ہے۔ یہ سب ان کے لیے خاندانی روایات کی حیثیت رکھتا ہے۔ بنی اسرائیل کے لیے، اس کا انکار بدیہات کا انکار ہے، جس کی سزا حسب وعدۂ الٰہی ذلت و محکومی کی صورت میں انھیں ملتی رہے گی۔ اس کو ایک اور زاویہ سے یوں سمجھیں کہ جس طرح نزول قرآن کے وقت کے یہود کو ان کے آبا و اجداد کے جرائم کا وارث سمجھا گیا اور ان سے ایسے ہی خطاب کیا گیا جیسے کہ یہ جرائم خود ان سے سرزد ہوئے ہوں، کیونکہ وہ اپنے آبا کے ان جرائم سے براءت نہیں کرتے تھے اور ان کی روش پر قائم تھے، اس لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار اور ان کے ساتھ قتال پر مصر تھے، اس لیے انھیں بھی

ان کے آبا کے جرائم میں شریک مانا گیا۔اسی طرح مسیح علیہ السلام کے بعد کے یہود بھی اپنے آبا کے جرائم میں اس وقت تک شریک سمجھے جائیں گے جب تک اس روش سے توبہ کر کے حقائق کو تسلیم کر کے اپنا عمل درست نہیں کر لیتے۔

مسیح کی اتباع کرنے والوں سے کون مراد ہیں؟

پہلی بات یہ ہے کہ یہ غلبہ مسیح علیہ السلام کے براہ راست اتباع کرنے والوں کے لیے تو منحصر نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہاں ان کے تا قیامت غلبے کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ تا قیامت تو انھوں نے زندہ نہیں رہنا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا مسیح علیہ السلام کے براہ راست شاگرد بھی اس آیت کا مصداق ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ الفاظ کو دیکھا جائے تو 'الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ' میں مخلص مومنینِ مسیح اور وہ تمام لوگ بھی مراد ہو سکتے ہیں جو خود کو مسیح علیہ السلام سے منسوب کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہاں عام مسیحی مراد ہیں۔ اس کا تعین ایک تو داخلی قرائن سے طے ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں اہل کتاب کہہ کر اگر مخلص مومنین اور دین ابراہیمی سے منحرف ہو جانے والے سب اہل کتاب کو مراد لیا جا سکتا ہے تو 'اِتَّبَعُوْكَ' کہہ کر مخلص مومنین کے علاوہ عام مسیحیوں کو بھی اس میں شامل کیا جا سکتا ہے، یعنی الفاظ میں اس کی پوری گنجایش موجود ہے۔ دوسرا یہ کہ یہاں 'اِتَّبَعُوْكَ' کو 'الَّذِيْنَ كَفَرُوْا' کے مقابل رکھا گیا ہے نہ کہ مخلص مومنین اور گمراہ مسیحیوں کا تقابل پیش نظر ہے۔ پھر خارجی قرینے کے مطابق تاریخی حقیقت بھی یہی چلی آ رہی ہے کہ عام مسیحی ہی یہود پر غالب چلے آ رہے ہیں، اس میں کوئی استثنا بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ اسی وجہ سے مسیح علیہ السلام کا اتباع کرنے والوں سے مراد صرف مخلص مومنین نہیں ہیں۔ مزید یہ کہ متبعین مسیح سے مراد صرف مسلمان بھی نہیں ہو سکتے، کیونکہ یہود، مسلمانوں کے محکوم بھی مسلسل نہیں رہے۔ (ملخص مع اضافہ تدبر قرآن، زیر بحث سورۂ آل عمران آیت ۵۵)

دوسری بات یہ ہے کہ اتباع کے مفہوم میں سوچ سمجھ کر اور بلا سوچے سمجھے پیروی کرنا دونوں شامل ہیں۔ اچھے اور برے، دونوں طرح کی اتباع کو اتباع ہی کہا جاتا ہے۔ درج ذیل آیت میں دیکھیے کہ مسیح علیہ السلام کے تمام اتباع کرنے والوں کو مسیح کا متبع ہی کہا گیا ہے، چاہے وہ درست مذہب پر تھے یا دین وعقائد میں بدعات کا شکار ہو گئے تھے یا اخلاقی طور پر فسق کے مرتکب تھے:

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ

''پھر اُنھی کے نقش قدم پر ہم نے اپنے اور رسول بھی بھیجے اور عیسیٰ ابن مریم کو بھی اُنھی کے نقش قدم پر بھیجا اور اُسے انجیل عطا کی اور اُس کے پیرووں کے دلوں

اَبۡتَدَعُوۡهَا مَا كَتَبۡنٰهَا عَلَيۡهِمۡ اِلَّا ابۡتِغَآءَ رِضۡوَانِ
اللّٰهِ فَمَا رَعَوۡهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَاٰتَيۡنَا الَّذِيۡنَ
اٰمَنُوۡا مِنۡهُمۡ اَجۡرَهُمۡ وَ كَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ.
(الحدید ۵۷: ۲۷)

میں رأفت و رحمت ڈال دی، مگر رہبانیت اُنھوں نے خود ایجاد کر لی۔ ہم نے اُسے اُن پر فرض نہیں کیا تھا۔ یہ بات، البتہ ضرور فرض کی تھی کہ وہ اللہ کی خوشنودی چاہیں۔ سو اُنھوں نے اُس کے حدود، جس طرح کہ چاہیے تھا، ملحوظ نہیں رکھے۔ تاہم اُن میں سے جو لوگ ایمان پر قائم رہے، اُن کا اجر ہم نے اُنھیں عطا فرمایا، مگر اُن میں سے زیادہ نافرمان ہی نکلے۔''

چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت ۵۵ میں مسیح علیہ السلام کا اتباع کرنے والوں سے مراد مسیح کے بعد کے دور کے ان کے نام لیوا، جو ان کے درست دین پر قائم نہ رہ سکے، لینے میں کوئی مانع نہیں ہے۔ یہ عام مسیحی ہی ہیں جو تاریخی حقیقت کے طور پر بھی یہود پر سیاسی طور پر غالب چلے آ رہے ہیں اور اس طرح خدا کی ایک زندہ پیشین گوئی کے طور پر یہ مظہر دنیا کے سامنے موجود ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اب اشکال یہ ہے کہ ان عام مسیحیوں کا غلبہ تو یہود پر بہت دیر میں ہوا، یعنی تین سو سال کے بعد جب رومی شہنشاہوں نے مسیحیت قبول کر لی تھی۔

اس پر عرض ہے کہ خدا کے ان دنیوی عذابوں، یعنی قیامت صغریٰ کا وقت کب شروع ہوتا ہے یہ علم اور اندازہ اس نے ہم سے اسی طرح پوشیدہ رکھا ہے جیسے قیامت کبریٰ کا علم و اندازہ۔ مختلف قوموں پر آنے والے عذابوں کی مہلت میں بہت فرق ہے۔ کہیں صرف تین دن کی مہلت دی گئی، تو کہیں یہ مہلت برسوں کو محیط ہو گئی اور کہیں یہ صدیوں کے عرصے میں سامنے آئی۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے مستحقِ عذاب ہو جانے کے بعد مہلت میں فرق کیوں رکھتا ہے تو یہ اس کے محیط علم کی بات ہے، جن عوامل اور حالات کو مدنظر رکھ کر وہ فیصلہ کرتا ہے، انسانی عقل کے لیے ان کا احاطہ کرنا محال ہے۔

ایک اعتراض

یہاں ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ بنی اسرائیل کے معاملے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت تمام مراحل، یعنی انذار، انذار عام، اتمام حجت، ہجرت و براءت، اور جزا و سزا سے نہیں گزری تو عذاب وہی کیوں دیا گیا جو اتمام حجت کے ان تمام مراحل کے گزر جانے کے بعد آتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اتمام حجت ایک بار اپنے تمام مراحل سے گزر کر ایک سرگذشت کی شکل میں مکمل ہو کر خدا کی کتاب میں محفوظ ہو جائے تو اس سرگذشت کا سنانا ہی انذار کے

لیے کافی ہوتا ہے۔ تمام مراحل کا اعادہ نہیں کیا جاتا۔ ایسے ہی جیسے صحابہ نے جب روم و ایران پر حملہ کیا تو تفصیلی دعوت نہیں دی، انھوں نے یہ کافی سمجھا کہ عرب سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی سرگرمیوں کے بارے میں ملنے والی مسلسل خبروں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اسلام قبول کرنے کے لیے باقاعدہ دعوتی خطوط ملنے اور اہل کتاب کی اپنی کتب میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پیشین گوئیوں کی وجہ سے اتمام حجت ہو چکا۔ چنانچہ انھوں نے روم و ایران پر بھی وہی محکومی اور جزیہ کی وہی سزا نافذ کر دی جو اہل کتاب کے لیے مقرر کی گئی تھی۔

بنی اسرائیل کے معاملے میں اتمام حجت ان پر ان کے انبیا کی طرف سے مسلسل ہوتا رہا۔ مسیح علیہ السلام کی رسالت ان کے لیے عاد و ثمود کی بے خبر اقوام کی طرح کوئی اجنبی چیز نہیں تھی کہ دعوت دین کے تمام مراحل پورے کیے جاتے۔ بنی اسرائیل دین کے بنیادی تصورات سے واقف تھے۔ مسیح علیہ السلام تو ان کی اخلاقی تربیت کرنے آئے تھے، جسے قبول نہ کرنے پر انھیں تا قیامت محکومی کی سزا دی گئی ہے۔ یہ سزا بنی اسرائیل کے لیے اسی ضابطے کے تحت دی گئی ہے جو ان کی خصوصی حیثیت کی وجہ سے تھا، جس کا مفصل ذکر اس مضمون میں پہلے ہو چکا ہے کہ پیغمبروں کے انکار اور نافرمانی پر انھیں ذلت کی سزا ملے گی۔ خدا کے علم کے مطابق یہ معاملہ قیامت تک چلے گا۔ اگرچہ بنی اسرائیل کے لیے مسیح علیہ السلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت آج بھی موجود ہے اور آج بھی وہ اگر ایمان لے آتے ہیں تو اس محکومی سے نکل سکتے ہیں، لیکن علم خداوندی میں ہے کہ ایسا ہوگا نہیں اور وہ مسیح علیہ السلام کے پیروکاروں کے تحت تا قیامت محکوم ہی رہیں گے۔ یہود کی مسیحیوں کے ماتحت محکومی ایک زندہ تاریخی حقیقت کے طور پر، قرآن کی سچائی کے ایک زندہ ثبوت کی حیثیت سے، ہر دور کے انسانوں کے سامنے موجود رہے گی۔

ایک اشکال

قانون اتمام حجت کے مطابق مسیح علیہ السلام کے براہ راست منکرین پر اسی دنیا میں ذلت و محکومی کا عذاب آنا ضروری تھا، لیکن یہ عذاب ۷۰ عیسوی میں آیا، جب کہ مسیح علیہ السلام مشہور روایت کے مطابق ۳۰ سے ۳۵ عیسوی کے درمیان اٹھا لیے گئے تھے۔ یعنی مسیح علیہ السلام کے رخصت ہونے کے ۳۵ سے ۴۰ سال کے بعد ان کے براہ راست منکرین پر ذلت و محکومی کا عذاب آیا۔ تو گویا وہ منکرین ۳۵ یا ۴۰ سال امن میں رہے اور جب عذاب آیا تو ان میں سے بیش تر شاید زندہ ہی نہیں تھے۔

اس پر عرض ہے کہ حقیقت اس سے مختلف ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ مسیح علیہ السلام کے رخصت ہو جانے کے فوراً

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بعد ہی یہودیوں اور رومیوں میں بگڑ گئی۔ چنانچہ رومیوں نے یہودیوں کو مسلسل ذلت و محرومی کے عذاب سے دوچار کیے رکھا، وہ مسلسل ان کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کرتے رہے، اسی سلوک سے تنگ آ کر انھوں نے رومیوں کے خلاف بغاوت کر ڈالی تھی جس کا حتمی نتیجہ ۷۰ عیسوی میں طیطاؤس (Titus) کے حملے کی صورت میں نکلا۔

تاریخ میں بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ مسیح علیہ السلام کو صلیب دیے جانے سے پہلے تک، یعنی رومی گورنر، پیلاطوس (Pontius Pilate)، جس نے مسیح علیہ السلام کو صلیب دیے جانے کی منظوری دی تھی، کے دور تک رومیوں کے ساتھ یہود کے تعلقات قابل قبول حد تک ٹھیک چل رہے تھے، لیکن مسیح علیہ السلام کے خلاف اقدام قتل کے بعد سے حالات خراب ہوتے چلے گئے، خون خرابہ شروع ہو گیا، رومیوں نے یہود پر بھاری ٹیکس عائد کر دیے، یروشلم میں فوج تعینات کر دی گئی، شہنشاہ کیلیگولا (Caligula) جس نے ۳۷ تا ۴۱ عیسوی تک حکومت کی، کے دور میں حالات یہاں تک پہنچے کہ شہنشاہ نے بیت المقدس میں اپنا مجسمہ رکھوا کر یہود کو اس کی پوجا کا حکم دیا۔

تاہم ۴۱ سے ۴۴ عیسوی کے تین سالوں میں جب رومیوں کی طرف سے اگریپا اوّل (Agrippa) یہود کا بادشاہ مقرر ہوا تو اس نے حالات میں بہتری لائی۔ یہ بھی خدائی ضابطہ ہے کہ عذاب کے بعد مہلت کا عرصہ بھی آتا ہے۔ اگریپا اوّل کی موت کے بعد یہود کے رومیوں سے تعلقات پھر خراب ہو گئے، دونوں کے درمیان کئی جھڑپیں ہوئیں، یہودیہ (Judea) کی سلطنت کی معاشی حالت ابتر ہو گئی، انارکی پھیل گئی، بغاوتیں پھوٹ پڑیں[1]، ادھر ان کی آپس کی فرقہ واریت بھی عروج پر تھی۔ یہی حالات چلتے رہے، یہاں تک کہ ۶۶ عیسوی میں گورنر جیسئس فلورس (Gessius Florus) نے ٹیکس اکٹھا کرنے کے نام پر بیت القدس کی آمدنی پر ہاتھ ڈالا، یہ چیز یہودیوں سے برداشت نہ ہوئی اور انھوں نے رومی گورنر پر حملہ کر دیا، اس کے جواب میں ۶۷ عیسوی میں رومی گورنر ویسپاسیئن (Vespasian)، جو بعد میں روم کا شہنشاہ بنا، ان پر حملہ آور ہوا اور نہایت بے دردی سے یہ بغاوت فرو کی[2]۔ پھر وہ واپس چلا گیا، لیکن بغاوت کی آگ بھڑکتی رہی، جس کو حتمی طور پر ختم کرنے کے لیے اس نے اپنے بیٹے طیطاؤس کو بھیجا جس نے حملہ کر کے نہ صرف یہود کا قتل عام کیا اور انھیں لونڈی اور غلام بنایا، بلکہ بیت المقدس کو بھی تباہ کر دیا، جس نے یہود کی کمر توڑ کر رکھ دی، یہ ان کے لیے ان کی تاریخ کا بدترین سانحہ تھا، جس کو یہود نے کبھی نہیں بھلایا۔ روم کے ساتھ ان کے معاملات بعد میں خراب چلتے رہے۔

۱؎ /http://cojs.org/judea_under_the_procurators۔

۲؎ /http://cojs.org/biblical_history-_the_roman_period-_steven_feldman-_cojs-_2007۔

غرض یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کے رفعِ آسمانی کے بعد کا سارا دور، سوائے اگریپا اوّل کے ۳ سالہ دور کے، یہود کے لیے مسلسل اذیت، انارکی، ذلت اور محکومی کا دور تھا، جس کا فیصلہ کن مرحلہ ۷۰ عیسوی میں طیطاؤس کے حملے کی صورت میں نکلا۔ اس لیے یہ سمجھنا کہ وہ ۷۰ عیسوی سے پہلے سکون میں رہ رہے تھے، درست نہیں۔ یہود کے ساتھ یہ معاملہ اللہ کی اس سنت کے بالکل مطابق ہوا ہے جس کی رو سے حتمی دنیوی عذاب سے پہلے تنبیہی عذاب آتے ہیں۔ نیز ۳۵ یا ۴۰ سال کا عرصہ اتنا بھی طویل نہیں کہ ایک نسل ہی گزر جائے۔ یقیناً مسیح علیہ السلام کے براہ راست منکرین میں سے بیش تر حتمی عذاب سہنے کے لیے بھی زندہ تھے۔

ایک اشکال

ایک اشکال یہ پیش کیا گیا کہ ہر رسول اپنی امت پر عذاب کے وقت موجود ہوتا ہے، لیکن مسیح علیہ السلام بنی اسرائیل پر ان کے انکار کے نتیجے میں آنے والے عذاب سے پہلے رخصت کیوں ہو گئے؟

اس پر عرض ہے کہ یہ تو درست ہے کہ قرآن مجید میں جن رسولوں کا ذکر ہے، وہ اپنی قوم پر عذاب کے وقت موجود تھے، لیکن عذاب کے وقت ان کی موجودگی اتمام حجت کا کوئی ضابطہ نہیں ہے۔ یہ ضابطہ تب بنتا جب یہ بیان میں آتا، اس پر کوئی نص ہوتی، لیکن اس پر کوئی نص نہیں ہے۔ رسول کا کام ابلاغ دین اور اتمام حجت ہے، عذاب کے وقت اس کی موجودگی امر واقعہ تو ہے، لیکن اس کا کار رسالت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ رسول تو عذاب سے پہلے ہی اپنی بستی سے چلا جاتا ہے اور عذاب کا کچھ حصہ ہی دیکھ پاتا ہے۔ اس کے برعکس قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ رسول اس عذاب سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو جائے:

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ. رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ. وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ. (المومنون ۲۳: ۹۳-۹۵)	''تم دعا کرو، (اے پیغمبر) کہ میرے پروردگار، اگر تو مجھے وہ عذاب دکھائے جس سے اِنھیں ڈرایا جا رہا ہے۔ تو پروردگار، مجھے اِن ظالم لوگوں میں شامل نہ کرنا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم پوری قدرت رکھتے ہیں کہ جس عذاب سے ہم اِن کو ڈرا رہے ہیں، وہ (تمھاری آنکھوں کے سامنے لے آئیں اور) تمھیں دکھا دیں۔''
وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ	''ہم جو وعید اِنھیں سنا رہے ہیں، اُس کا کچھ حصہ ہم

نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ.
(الرعد ۱۳: ۴۰)

تمھیں دکھا دیں گے یا تم کو وفات دیں گے (اور اِس کے بعد اِن سے نمٹیں گے)۔ سو تمھاری ذمہ داری صرف پہنچانا ہے اور اِن کا حساب لینا ہمارا کام ہے۔''

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ. اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ.
(الزخرف ۴۳: ۴۱-۴۲)

''اب تو یہی ہوگا کہ یا ہم تمھیں اٹھالیں گے، پھر اِن سے ضرور بدلہ لیں گے۔ یا جس (عذاب) کا وعدہ ہم نے اِن سے کیا ہے، وہ (تمھارے اِس دنیا میں ہوتے ہوئے) تم کو لا دکھائیں گے، اِس لیے کہ ہم اِن پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔''

اسی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم بنی اسرائیل پر سیاسی غلبہ ہونا یا بنی اسرائیل پر ان کے انکار کے نتیجے میں آنے والے عذاب محکومی کے وقت ان کا موجود ہونا بھی قانون اتمام حجت کی رو سے ضروری نہ تھا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دنیوی عذاب آنے کی مہلت میں فرق

ایک اشکال یہ ہے کہ رسولوں کی قوموں کو اتمام حجت کے بعد عذاب آنے سے پہلے دی جانے والی مہلت کی مدتوں میں فرق کیوں ہے۔ خصوصاً، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد ان کے منکرین پر دنیوی عذاب نازل ہونے میں ملنے والی نسبتاً طویل مہلت محل اشکال ہے۔

مہلت کے اس فرق کو یوں سمجھنا چاہیے کہ جس طرح انبیا کی تبلیغ و دعوت دین اور اتمام حجت کی مدت میں فرق ہے، اسی طرح اتمامِ حجت کے بعد مختلف رسولوں کی منکر اقوام پر عذاب آنے کی مہلت میں بھی فرق ہے۔ اس مہلت کے دوران تنبیہی عذاب آتے ہیں اور اس میں مزید کچھ لوگ ایمان بھی لے آتے ہیں، جیسے یونس علیہ السلام کی قوم کے ساتھ ہوا کہ پوری قوم مہلت کے عرصہ میں ایمان لے آئی۔ اس مہلت کا دورانیہ ہر قوم کے اپنے حالات کے لحاظ سے مختلف ہوا ہے اور ان حالات کا کامل علم خدا کے پاس ہے۔

نوح علیہ السلام نے ۹۵۰ سال تبلیغ کی، عیسیٰ علیہ السلام نے چند سال اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ۱۳ سال میں مکہ والوں پر حجت تمام کر دی، جب کہ باقی کے ۱۱ سال مدینہ کے اردگرد یہود، اور عرب علاقوں کے نصاریٰ اور دیگر عرب قبائل پر اتمام حجت فرمایا۔ کسی بھی رسول کے اتمام حجت کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں کی گئی۔ بے شمار سماجی، ابلاغی، نفسیاتی مسائل اور عوامل کی وجہ سے یہ ممکن بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ کوئی ایک مدت مقرر کی جاتی۔

اسی طرح اتمام حجت کے نتیجے میں قوم کے مستحق عذاب ہو جانے کے بعد دنیوی عذاب آنے سے پہلے کی مہلت کی مدت بھی مقرر نہیں کی جا سکتی تھی۔ جہاں قوم نوح اور قوم لوط پر ان کے رسولوں کی ہجرت کے فوراً بعد عذاب اتر آیا، وہاں عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کی ہجرت کے ۳۵ یا ۴۰ سال کے بعد ۷۰ عیسوی میں بنی اسرائیل پر رومیوں کے ہاتھوں جلا وطنی اور محکومی کا حتمی عذابِ موعود نازل ہوا، جب کہ صالح علیہ السلام کی قوم کو تین دن کا الٹی میٹم دے کر عذاب نازل کر دیا گیا۔

اس دنیوی عذاب آنے کے دو لازمی شرائط ہیں: ایک یہ کہ رسول اور مومنین کفار سے علیحدہ ہو چکے ہوں جیسا کہ قیامت میں جنت اور جہنم کے فیصلے سے پہلے مومنین کو کفار سے علیحدہ کر دیا جائے گا:

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ. (الانفال ۸: ۳۷)

''اس لیے کہ (اپنی جنت کے لیے) اللہ پاک سے ناپاک کو الگ کرے اور ناپاک کو ایک دوسرے پر رکھ کر سب کا ڈھیر بنائے، پھر اِس ڈھیر کو جہنم میں جھونک دے۔ (حقیقت یہ ہے کہ) یہی لوگ نامراد ہونے والے ہیں۔''

بالکل یہی اصول دنیوی عذاب میں بھی اپنایا گیا۔ اسی وجہ سے دنیوی عذاب نازل ہونے سے پہلے رسول اور اس کے ساتھیوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ اپنی بستی سے نکل جائیں۔

دوسرا یہ کہ کفار میں کوئی ایسا نہ رہے جس کے ایمان لانے کی امید باقی ہو۔ یہ اصول نوح اور لوط علیہم السلام کے معاملے میں دیکھیے:

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ. (ہود ۱۱: ۳۶)

''(پھر) نوح کو وحی کی گئی کہ تمھاری قوم کے لوگوں میں سے جو ایمان لا چکے، اب اُن کے سوا کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے۔ سو اِن کے کرتوتوں پر غم کھانا چھوڑو۔''

قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ. (العنکبوت ۲۹: ۳۲)

''ابراہیم نے کہا: اُس میں تو لوط بھی ہے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ اُس میں جو لوگ بھی ہیں، اُنھیں ہم خوب جانتے ہیں۔ (آپ مطمئن رہیے)، ہم لوط کو اور اُس کے سب گھر والوں کو ضرور بچا لیں گے، اُس کی بیوی کے سوا۔ وہ (البتہ) پیچھے رہ جانے والوں میں

سے ہوگی۔‘‘

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین پر عذاب آنے کے معاملے میں یہ ہوا کہ بہت سے مومنین ہجرت کرنے سے عاجز کر دیے گئے۔ مومنین اور کفار کی مکمل علیحدگی نہیں ہو پائی تھی، دوسرا یہ کہ ایسے لوگ ابھی موجود تھے جن کے ایمان لانے کی امید تھی۔ درج ذیل آیت دیکھیے:

مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمۡ وَاَنۡتَ فِیۡھِمۡ وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمۡ وَھُمۡ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ. (الانفال ۸:۳۳)

’’اللہ (اُس وقت تو) اِن کو عذاب دینے والا نہیں تھا، جب کہ تم اِن کے درمیان موجود تھے اور نہ (اُس وقت) عذاب دینے والا ہو سکتا ہے، جب کہ یہ مغفرت چاہ رہے ہوں۔‘‘

اس آیت کی وضاحت میں جناب جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

’’قریش کے لیڈروں کی طرف سے پیہم مطالبۂ عذاب کے باوجود اللہ نے اُنھیں ڈھیل کیوں دی؟ یہ اِس سوال کا جواب دیا ہے۔ فرمایا کہ عذاب کے معاملے میں اللہ کا قانون یہ ہے کہ جب تک اصلاح کی دعوت قبول کر کے خدا سے مغفرت چاہنے والے قوم کے اندر سے نکلتے رہتے ہیں اور جب تک پیغمبر اُن کے درمیان موجود ہوتا ہے، اُنھیں چھوڑ کر نکل نہیں جاتا، اللہ اتمام حجت کے باوجود اُن پر وہ فیصلہ کن عذاب نازل نہیں کرتا جو رسولوں کی قوموں پر نازل کیا جاتا ہے اور جس کا مطالبہ قریش کر رہے تھے۔ اِس میں، اگر غور کیجیے تو یہ دعوت بھی ہے کہ یہ لوگ اگر اب بھی اپنی روش بدلنے کے لیے تیار ہو جائیں اور خدا سے معافی مانگ لیں تو اِس عذاب سے بچ سکتے ہیں۔‘‘

(البیان ۲/۲۸۷)

عَسَی اللّٰہُ اَنۡ یَّجۡعَلَ بَیۡنَکُمۡ وَبَیۡنَ الَّذِیۡنَ عَادَیۡتُمۡ مِّنۡھُمۡ مَّوَدَّۃً وَاللّٰہُ قَدِیۡرٌ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ. (الممتحنہ ۶۰:۷)

’’(تم ایمان پر قائم رہے تو) بعید نہیں کہ اللہ تمھارے اور اُن لوگوں کے درمیان دوستی پیدا کر دے، جن سے (آج) تم نے عداوت مول لی ہے۔ اللہ بڑی قدرت والا ہے، اور اللہ غفور و رحیم ہے۔‘‘

ظاہر ہے یہ دوستی ان دشمنان اسلام کے ایمان لانے کے بعد ہی ممکن تھی۔ اس لیے ان کفار میں سے بہت سے لوگوں کے ایمان لانے کی امید ابھی باقی تھی۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر متوقع جنگ بھی اللہ تعالیٰ نے نہیں ہونے دی تھی، کیونکہ مکہ میں ابھی مجبور مومنین، جن میں سے کچھ اپنے اعلانِ اسلام کے بعد کفار کے ہاتھوں سختیاں جھیل رہے تھے، اور کچھ ابھی تک اپنے ایمان کا اظہار نہیں

کر پائے تھے، موجود تھے۔ اس لیے اس موقع پر جنگ کی صورت میں ان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ سورۃ الفتح میں اللہ نے فرمایا:

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا. (۴۸: ۲۵)

’’یہ وہی ہیں جنھوں نے (خدا کے پیغمبر کا) انکار کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانوروں کو بھی روک دیا کہ وہیں کھڑے رہ جائیں اور اپنی جگہ پر نہ پہنچنے پائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر (مکہ میں اُس وقت) ایسے مومن مرد اور ایسی مومنہ عورتیں نہ ہوتیں جنھیں تم نہیں جانتے تھے کہ (حملہ کرتے تو) روند ڈالتے، پھر اِن کے باعث تم پر بے خبری میں الزام آ جاتا (تو ہم جنگ کی اجازت دے دیتے، لیکن ہم نے اِس لیے اجازت نہیں دی) کہ اللہ جس کو چاہے، (ایمان کی توفیق دے اور) اپنی رحمت میں داخل کر لے۔ (یہ حقیقت ہے کہ) اگر وہ لوگ الگ ہو گئے ہوتے تو ہم اُن کے منکرین کو دردناک عذاب سے دوچار کر دیتے۔‘‘

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ان ہجرت نہ کرنے والوں میں کچھ تو مجبور تھے، جیسے حضرت ابو جندل وغیرہ، جب کہ کچھ کمزور ایمان والے بھی تھے، جو اپنی مقامی اور خاندانی وابستگیاں ترک کر کے ہجرت پر آمادہ نہ ہو سکے تھے۔ تاہم عذاب میں تاخیر مجبور اور معذور لوگوں کی وجہ سے ہوئی نہ کہ بلاعذر ہجرت نہ کرنے والوں کی وجہ سے۔ بلاعذر ہجرت نہ کرنے والوں کو بھی خدا کی طرف سے عذاب کا ہی سامنا کرنا پڑا:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا. (النساء ۴: ۹۷)

’’(اِس موقع پر بھی جو لوگ اُن بستیوں سے نکلنے کے لیے تیار نہیں ہیں، جہاں اُنھیں دین کے لیے ستایا جا رہا ہے، اُنھیں بتاؤ، اے پیغمبر کہ) جن لوگوں کی جان فرشتے اِس حال میں قبض کریں گے کہ (اپنے ایمان کو خطرے میں ڈال کر) وہ اپنی جان پر ظلم کر رہے تھے، اُن سے وہ پوچھیں گے کہ یہ تم کس حال میں پڑے رہے؟

وہ جواب دیں گے کہ ہم تو اِس ملک میں بالکل بے بس
تھے۔ فرشتے کہیں گے: کیا خدا کی زمین ایسی وسیع نہ تھی
کہ تم اُس میں ہجرت کر جاتے۔ سو یہی لوگ ہیں جن
کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے۔‘‘

البتہ ان کفار میں سے جن پر اتمامِ حجت ہو چکا تھا، ان کے لیے مہلت کا وقت ختم ہو چکا تھا، ان پر عذاب عام سے پہلے ہی عذاب آ کر رہا۔ مثلاً ایسے کفار میں سے جو خود آگے بڑھ کر بدر کے میدان میں جنگ کرنے اٹھ آئے تھے، ان میں زیادہ تر وہی سرداران مارے گئے تھے جن کی مہلت اختتام پذیر ہو چکی تھی۔

ہم جانتے ہیں کہ رسول اپنی دعوت کی ابتدا اپنی قوم کے سرداروں سے ہی کرتا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی اپنی کتاب ’’دعوت دین اور اُس کا طریق کار‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’...حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے خود اپنے اُس خاندان کو دعوت دی جو قوم کی مذہبی پیشوائی کی مسند پر متمکن تھا۔ پھر اُس بادشاہ کو دعوت دی جس کے ہاتھوں میں سیاسی اقتدار کی باگ تھی اور جو اپنے آپ کو لوگوں کی زندگی اور موت کا مالک سمجھے ہوئے بیٹھا تھا... حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ سب سے پہلے فرعون کو مخاطب کریں... حضرت مسیح علیہ السلام نے سب سے پہلے علماے یہود کو دعوت دی۔ اِسی طرح حضرات نوح علیہ السلام، ہود علیہ السلام، شعیب علیہ السلام، سب کی دعوتیں قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ اِن میں سے ہر نبی نے سب سے پہلے اپنے وقت کے ارباب اقتدار اور متکبرین کو جھنجھوڑا اور اُن کے افکار و نظریات پر ضرب لگائی۔ سب سے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ کو حکم ہوا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ یہ لوگ عرب کی مذہبی اور پدرسرانہ (patriarchical) حکومت کے ارباب حل وعقد تھے اور اِس کے واسطہ سے سارے عرب کی اخلاقی اور سیاسی رہنمائی کر رہے تھے۔‘‘ (۴۶-۴۷)

ایک وقت تک ان سرداران کو سمجھانے اور ان کی طرف سے مایوسی کے بعد رسول کو دعوت عام کا حکم ملتا ہے۔ اس لیے سرداروں پر اتمامِ حجت بھی دوسروں سے پہلے ہو جاتا ہے اور ان کی مہلت بھی دوسروں سے پہلے ختم ہو سکتی ہے۔ اسی لیے دیکھا جائے تو جنگ بدر میں مارے جانے والے ۷۰ کفار میں تقریباً تمام ہی سردارانِ قریش تھے۔ اس بات کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جن سرداران قریش پر اتمامِ حجت کے بعد مہلت ختم ہو گئی تھی اور وہ جنگ بدر میں بھی نہیں آئے تھے، وہ بھی آخری اجتماعی عذاب، جو صحابہ کی تلواروں سے آیا، سے پہلے ہی انفرادی عذاب کا شکار ہو کر مرے۔ مثلاً ابولہب جنگ بدر میں شریک نہ ہونے کے باوجود اللہ کے دنیوی عذاب کا شکار ہو کر رہا۔ اسے عدسہ

کی بیماری لاحق ہوئی۔ لوگ بدبو کی وجہ سے اس کے پاس نہ آتے تھے۔ سخت اذیت اور بے بسی کے ساتھ وہ مرا۔ پھر اس کی لاش کی بدبو کی وجہ سے کوئی اسے اٹھاتا نہ تھا۔ آخر شرم دلانے پر اس کے بیٹوں نے اس کے پاؤں میں رسی ڈال کر اس کو گھسیٹ کر ایک جگہ پھینکا اور اوپر پتھر ڈال دیے۔ یہی حال مکہ کے چند دیگر سرداران: عاص بن وائل، اسود بن مطلب، ولید بن مغیرہ، اسود بن عبد یغوث اور حارث بن قیس کا ہوا۔

عام لوگ جو ان سرداروں کے کہنے پر جنگ بدر میں چلے آئے تھے اور ان پر ابھی اتمام حجت نہیں ہوا تھا، یا اتمام حجت ہو تو گیا تھا، لیکن ان کے ایمان لانے کا امکان تھا، اس لیے وہ مہلت کے عرصے میں تھے، وہ اس جنگ میں نہیں مارے گئے۔ تاہم، ان میں سے بھی اگر کوئی مارا گیا ہو تو سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ عصبیت کی جنگ لڑتا ہوا اپنی جارحیت کے نتیجے میں مارا گیا۔ وہ اگر اس جارحیت کا ارتکاب نہ کرتا تو مزید مہلت سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ اتمام حجت کا یہ مطلب نہیں کہ موعود عذاب سے پہلے کوئی جارحیت کرے تب بھی مارا نہ جائے یا اسے طبعی موت نہ آئے گی۔ ایسے مارے جانے یا مر جانے والے افراد کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

جنگ بدر میں کفر کے سرداروں کی پیروی میں آنے والے یہ لوگ، جن پر اتمام حجت نہیں ہوا تھا، یا اتمام حجت ہو گیا تھا، لیکن اس کے بعد وہ مہلت کے عرصے میں تھے، ان میں سے اکثر واپس جانے میں کامیاب ہو گئے تھے، جب کہ ۷۰ افراد قیدی بنا لیے گئے اور وہ بھی بعد میں چھوڑ دیے گئے۔ یعنی ابھی ان پر حتمی عذاب کا وقت نہیں آیا تھا۔ اب ان میں جو زخمی ہوئے، جن کو ہزیمت کا مزہ چکھنا پڑا اور جو قید ہوئے، تو ان کے لیے یہ دنیوی عذاب کی چھوٹی قسمیں تھیں، جو تنبیہ کے لیے آتے ہیں اور حتمی دنیوی عذاب سے پہلے دیے جاتے ہیں، تاکہ ان لوگوں میں جو متنبہ ہو کر ایمان لانے والے ہیں، وہ ایمان لے آئیں۔

جنگ بدر میں قید ہونے والوں کے لیے ابھی مہلت ختم نہیں ہوئی تھی، اسی لیے ان سے کہا گیا کہ اللہ اور اس کا رسول تمھارا طرز عمل دیکھیں گے۔ چنانچہ ان میں سے کئی بعد میں مسلمان ہو گئے اور جو آخر تک نہیں ہوئے، ان میں سے بعض کے لیے وہی قتل کی سزا تجویز ہوئی، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے وقت اعلان فرمایا کہ یہ لوگ اگر کعبے کا غلاف پکڑ کر بھی پناہ مانگیں تو بھی ان کو معاف نہ کیا جائے۔

چند اعتراضات

i۔ ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ کفار مکہ پر عذاب مومنین کے ہاتھوں آیا اور بنی اسرائیل پر مشرک قوموں کے ہاتھوں،

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ایسا کیوں؟

معلوم ہونا چاہیے کہ خدا نے خود پر ایسی کوئی پابندی عائد نہیں کی کہ عذاب کی مستحق قوم کو سزا اگر انسانوں کے ہاتھوں سے دی جانی ہو تو وہ ذریت ابراہیم کے مومنین کی طرح کی کوئی منتخب قوم ہی ہو۔ سزا تو سزا ہے، کبھی مومنین کے ہاتھوں دی گئی، کبھی غیر مسلمین کے ہاتھوں اور کبھی قدرتی آفات کے ذریعے سے۔ سزا کی نوعیت اور سزا کے آلۂ کار کا تعین حالات پر منحصر ہے۔ رسول کے ساتھیوں کے ہاتھوں عذاب آنے کی شرائط پہلے مذکور ہو چکی ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو بھی اس کام کے لیے چنا گیا تھا، جیسا کہ پیش تر بتایا گیا۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ قدرتی آفات کے ذریعے آنے والے عذاب کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے، اسی طرح انسانوں کو جب وہ کسی پر عذاب مسلط کرنے کے لیے بطورِ آلۂ کار استعمال کرتا ہے، تو ان کو بھی اپنی طرف منسوب کرتا ہے، درج ذیل آیت دیکھیے، جس میں قدرتی طاقتوں کے ذریعے سے آنے والے عذاب کو خدا نے اپنی طرف منسوب کیا ہے:

فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمُ الطُّوۡفَانَ وَالۡجَرَادَ وَالۡقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسۡتَکۡبَرُوۡا وَکَانُوۡا قَوۡمًا مُّجۡرِمِیۡنَ. (الاعراف ۷: ۱۳۳)

’’سو ہم نے اُن پر طوفان بھیجا، ٹڈیاں، جوئیں اور مینڈک چھوڑ دیے اور خون برسایا۔ یہ سب نشانیاں تھیں، (بنی اسرائیل کے صحیفوں میں) جن کی تفصیل کر دی گئی ہے۔ مگر وہ تکبر کرتے رہے اور (حقیقت یہ ہے کہ) وہ مجرم لوگ تھے۔‘‘

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اُن رومیوں کو بھی اپنے بندے کہا جن کے ہاتھوں بنی اسرائیل پر تباہی، ذلت اور محکومی مسلط کی:

فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ اُوۡلٰىہُمَا بَعَثۡنَا عَلَیۡکُمۡ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِیۡ بَاۡسٍ شَدِیۡدٍ فَجَاسُوۡا خِلٰلَ الدِّیَارِ وَکَانَ وَعۡدًا مَّفۡعُوۡلًا. (بنی اسرائیل ۱۷: ۵)

’’(لہٰذا دونوں مرتبہ سخت سزا پاؤ گے)۔ پھر (تم نے دیکھا کہ) جب اُن میں سے پہلی بار کے وعدے کا وقت آ جاتا ہے تو ہم تم پر اپنے ایسے بندے اٹھا کر مسلط کر دیتے ہیں جو نہایت زور آور تھے۔ سو وہ تمھارے گھروں کے اندر گھس پڑے اور وعدہ پورا ہو کے رہا۔‘‘

ii۔ ایک اور اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ قتال کی سزا اگر شرک کے جرم پر ہی آتی ہے تو چونکہ بنی اسرائیل مشرک نہیں تھے تو تاریخ میں ان پر قتال کی سزائیں بھی کیوں نافذ رہیں؟

اس پر عرض ہے کہ شرک پر محض قتال کی سزا نہیں، بلکہ استیصال کی سزا آتی ہے، جس کی ایک صورت قتال بھی ہے، دیگر صورتوں میں قدرتی آفات سے بھی استیصال کیا گیا ہے۔ قتل وقتال ایک سزا ہے، جو ضروری نہیں کہ صرف شرک کی سزا کے طور پر ہی ملے۔ اس سے کم تر جرائم پر بھی قتل کی سزا مل سکتی ہے۔ مثلاً، ناحق قتل کرنے کے جرم کی سزا میں قصاص کے طور پر بھی مجرم کو قتل ہی کیا جاتا ہے۔ اس لیے بنی اسرائیل پر قتال کا عذاب شرک سے کم تر گناہوں پر بھی آیا، لیکن ان کا استیصال نہیں کیا گیا۔ خدا کی طرف سے قتل کی سزا مسلط ہونے کی وجہ اگر شرک نہ ہو تو پوری قوم کا استیصال نہیں ہوتا، نیز شرک کرنے کی صورت میں بھی قتل کی سزا جب مسلط ہوتی ہے تو اس میں بھی متنبہ کر کے ایمان لانے والوں کے قتل سے بچنے کی گنجایش موجود ہوتی ہے، جیسا کہ سورۂ توبہ (۹) کی آیت ۵ میں بتایا گیا ہے:

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.

''سو جب حرام مہینے گزر جائیں تو اِن مشرکوں کو جہاں پاؤ، قتل کرو اور (اِس مقصد کے لیے) اِن کو پکڑو، اِن کو گھیرو اور ہر گھات کی جگہ اِن کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز کا اہتمام کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو اِن کی راہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔''

iii۔ یہاں ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ بنی اسرائیل پر استیصال کا اگر عذاب اس لیے نہیں آیا تھا کہ ''سب تو شرک میں مبتلا نہیں ہوتے تھے، بلکہ کچھ توحید پر قائم بھی رہتے تھے تو سوچیے کہ توحید پر قائم لوگ تو ہر معاشرے میں، یہاں تک کہ مشرکینِ عرب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل فترت کے عہد میں بھی پائے جاتے تھے۔ پھر ان پر استیصال کا عذاب کیوں مسلط کر دیا گیا؟''

اس پر عرض ہے کہ عرب معاشرے کے موحدین کوئی ایسا قابل لحاظ گروہ تو تھا نہیں کہ ان کے ساتھ کوئی مستقل جنگ ہوئی ہوتی تو یہ اعتراض کیا جاتا۔ یہ لوگ انفرادی طور پر کہیں کہیں پائے جاتے تھے۔ اتنا گمان البتہ کیا جا سکتا ہے کہ ان موحدین میں سے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے اپنے قبیلے کا ساتھ دیتے ہوئے، جیسا کہ اس دور کا قبائلی نظام تقاضا کرتا تھا، مسلمانوں سے جنگ کی ہوگی، وہ عصبیت کی لڑائی لڑتے ہوئے مارے گئے ہوں گے۔ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اتمام حجت کے قانون کا یہ مطلب نہیں کہ دنیوی عذاب سے پہلے کسی منکر کو کسی صورت موت نہیں آئے گی، یا کوئی جارحیت کا ارتکاب کر رہا ہو تو اتمام حجت سے پہلے اس کو قتل نہ کیا جا سکے، محمد رسول اللہ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے منکرین نے جو جنگی اقدامات کیے وہ جارحیت تھی جس پر ان کے ساتھ قتال کیا گیا اور وہ مارے بھی گئے۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ عرب کے ایسے موحدین یا تو وقت کے ساتھ مسلمان ہوتے گئے یا پھر جارحیت کے نتیجے میں عصبیت کی جنگ لڑتے ہوئے مارے گئے، یا منافقین کی طرح بظاہر مطیع ہو کر اپنی سرگرمیوں سے تائب ہو کر وقت گزار کر مر گئے۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

يسئلون

رضوان اللہ

یسئلون

سوال: اگر اللہ ہر بات کا علم پہلے سے رکھتا ہے، جیسا کہ یہ ہمارا عقیدہ بھی ہے، تو اس آیت میں علم کا کیا مطلب ہے: 'وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ'*؟ یہ الفاظ تو ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ اللہ نے بیت المقدس کو قبلہ اس لیے مقرر کیا تھا کہ وہ اس بات کا علم حاصل کرے کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے؟ مزید یہ کہ مولانا اصلاحی نے ''تدبر قرآن'' میں بیان کیا ہے کہ ''علم'' کے معنی ممیّز کر دینا، چھانٹ کر الگ کر دینا اور ظاہر کر دینا بھی ہیں، ان کی اس بات کی بھی کچھ وضاحت درکار ہے۔ (کاشف اقبال)

جواب: ہم جانتے ہیں کہ عربی زبان میں بھی الفاظ اپنے اصل معنی ہی میں استعمال نہیں ہوتے، بلکہ یہ اپنے نتائج اور لوازم کے لحاظ سے بھی استعمال ہو جاتے ہیں۔ لفظ ''علم'' کا معاملہ بھی یہی ہے۔ اس کا اصل معنی تو جاننا ہے، مگر یہ اپنے نتیجے کے لحاظ سے ممیّز کر دینے کے معنی میں بھی آ جاتا ہے، اس لیے کہ جان لینے کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ اس سے دو مختلف چیزوں کے درمیان میں فرق کو جانا جا سکتا، یعنی ان کو باہم ممیّز کیا جا سکتا ہے۔ اب ظاہر ہے جب کوئی چیز ممیّز ہو جائے گی، وہ دوسری کی نسبت زیادہ نمایاں بھی ہو جائے گی، اور بعض صورتوں میں یہ فرق اس قدر زیادہ ہوگا کہ وہ گویا دوسری سے بالکل الگ ہوگئی۔ یہیں سے اس لفظ ''علم'' کے اندر ظاہر کرنے اور الگ الگ کرنے کا مفہوم بھی پیدا ہوا۔

---

* البقرہ ۲: ۱۴۳۔

باقی جہاں تک آیت کا معاملہ ہے تو اس میں ''علم'' کا لفظ مذکورہ بالا کسی معنی میں بھی استعمال نہیں ہوا۔ یہاں یہ لفظ آزمانے اور امتحان کرنے کے لیے آیا ہے۔ یہ اس لفظ کا ایسا ہی استعمال ہے، جیسے ہم کچھ طالب علموں کی ذہنی استعداد کو پرکھنے کے لیے کسی مقابلے کا انعقاد کروانا چاہیں اور اردو زبان میں کہیں کہ لو بھئی، ہم ابھی جان لیتے ہیں کہ تم میں سے ذہانت میں کون دوسرے سے بڑھ کر ہے۔ یہاں ''جان لینا'' ظاہر ہے، جان لینے کے مفہوم میں نہیں، بلکہ پرکھنے اور آزمانے کے مفہوم میں ہے اور اس کی دلیل خود اس بات کا سیاق ہے۔ مذکورہ آیت میں بھی ''علم'' کا لفظ بالکل اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

سوال: قرآن مجید اگر واقعتاً فصیح اور بلیغ زبان میں نازل ہوا ہے تو کیا بات ہے کہ اس میں بعض جگہوں پر یوں محسوس ہوتا ہے کہ نحو کے قاعدوں سے بے اعتنائی اور انحراف ہو گیا ہے، جیسا کہ یہ آیت: 'اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ'*۔ اس میں 'هٰذٰنِ' کو 'اِنْ' کی وجہ سے نصبی حالت میں ہونا چاہیے تھا، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے؟ (کاشف اقبال)

جواب: اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ سامنے رہنی چاہیے کہ زبان اپنی ابتدا میں نحو کے قاعدوں پر تخلیق نہیں ہوتی، بلکہ یہ زبان ہی ہوتی ہے کہ جس سے بعض ضرورتوں کے پیش نظر اس طرح کے علوم اخذ کیے جاتے ہیں۔ علم نحو کے مقابلے میں اگر قرآن کی قدامت کا لحاظ رہے تو یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ اس کی زبان بھی ان قاعدوں کو اصول مان کر مرتب نہیں کی گئی، بلکہ اس کے برخلاف ہوا یہ کہ جب ان قاعدوں کی تدوین کا کام باقاعدہ طور پر شروع کیا گیا تو اس کے ماہرین نے قرآن مجید کو عربی زبان کے ایک مستند ماخذ کی حیثیت دی اور اس سے بہت کچھ اخذ واستفادہ بھی کیا۔ چنانچہ کسی شخص کا محض ان قواعد کی بنیاد پر قرآن جیسی کتاب اور اس کی زبان پر سوال اٹھا دینا یا کسی درجے میں اعتراض کر دینا، کوئی علمی طریقہ نہیں ہے۔ اس کے بجائے صحیح طریقہ یہ ہے کہ اگر کہیں اس قسم کا کوئی اختلاف نظر آئے تو اسے ایک مستقل قاعدہ قرار دے کر یا پھر ایک لازمی استثنا کی حیثیت سے نحو میں شامل کر لیا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہر زبان کو اس کے اپنے زمانے میں رکھ کر پڑھا اور سمجھا جاتا ہے، اس لیے کہ یہ ہر آن تبدیل ہوتی اور اپنی صورت گری میں بہت سے اصولی اور فروعی اثرات کو قبول کرتی چلی جاتی ہے۔ قرآن ایک خاص زمانے میں نازل ہوا ہے، اس لیے اس کی زبان کو بھی اس کے اپنے زمانے میں رکھ کر پڑھنا اور سمجھنا چاہیے۔ ہم جانتے ہیں کہ جب یہ کلام اپنے وقت کے ماہر نقادوں کے سامنے پیش کیا گیا تو انھوں نے اس کے محاسن کی حد درجہ تحسین تو کی، مگر ایک

* طٰہٰ ۲۰: ۶۳۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کلام کی حیثیت سے کبھی اس پر کوئی تنقید نہ کی، حتیٰ کہ اس کے مخالفین اس کی دعوت پر ہزار ہا اعتراضات کرتے رہے، مگر یہ حقیقت ہے کہ وہ اس کی زبان پر کوئی اعتراض کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ یہ سب اس بات کی دلیل تھا کہ یہ قرآن اپنے وقت کی معیاری زبان میں اترا اور اس میں کوئی چیز ایسی نہیں تھی کہ جسے زبان کی غلطی قرار دیا جا سکتا۔

بہرحال، مذکورہ آیت کے اعراب کے بارے میں واضح رہے کہ ایسا نہیں ہے کہ اہل نحو ان سے واقف ہی نہ ہوں، بلکہ یہ اعراب ان کے ہاں ایک معروف قاعدے کے عین مطابق ہیں۔ 'اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ'۔ میں موجود 'اِنْ' کو وہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ یہ اصل میں 'إن المخففة من الثقيلة' ہے۔ اس کی علامت 'سٰحِرٰنِ' پر آ جانے والا حرفِ لام ہے اور عام طور پر یہ بات طے ہے کہ اس صورت میں یہ کوئی عمل نہیں کرتا، چنانچہ یہاں 'هٰذٰنِ' ہی آنا چاہیے نہ کہ 'هٰذَيْنِ'۔ قرآن مجید میں اس کی اور بھی کئی مثالیں موجود ہیں، جیسے 'وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا'*۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

* الزخرف ۴۳: ۳۵۔

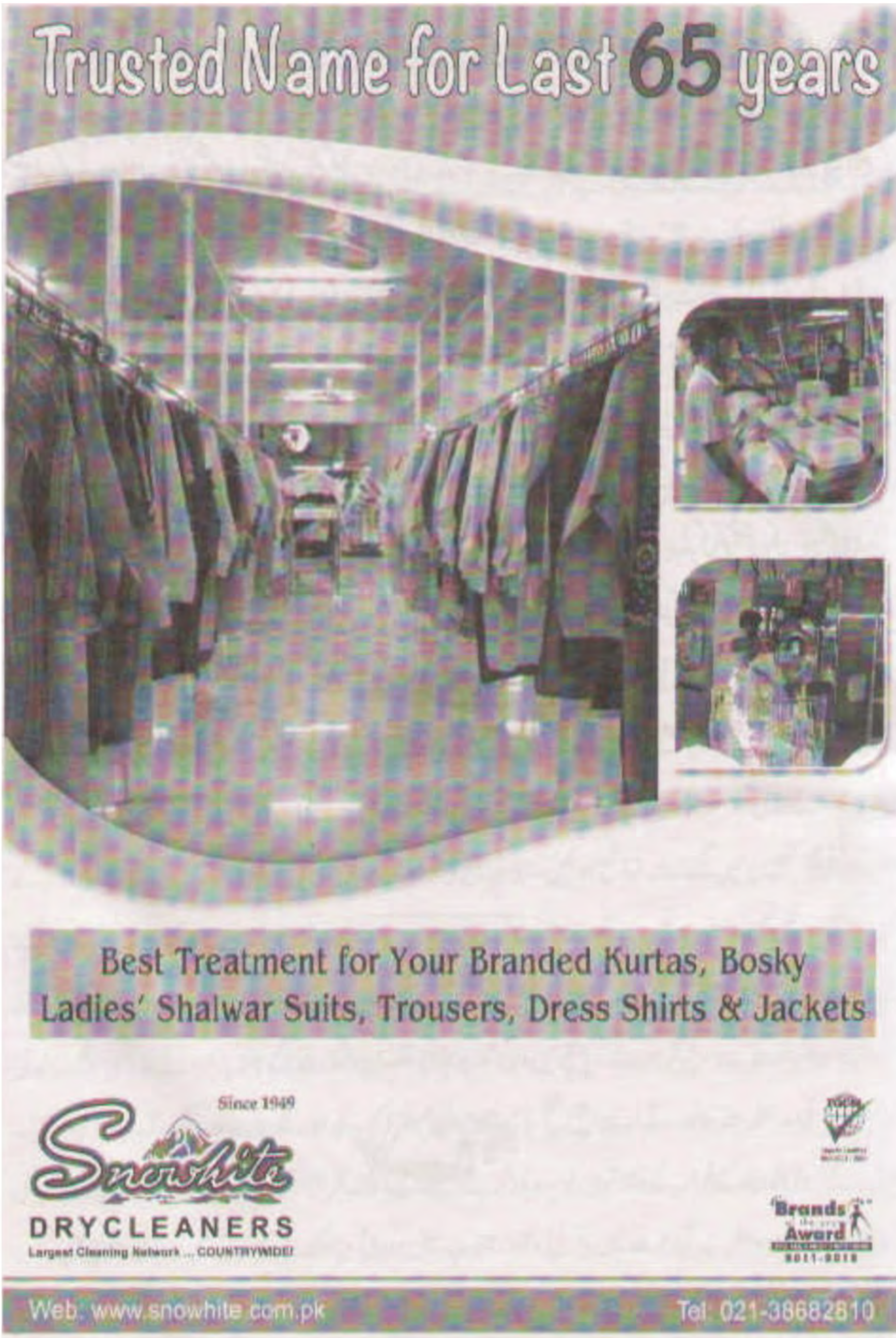
Trusted Name for Last 65 years
Best Treatment for Your Branded Kurtas, Bosky
Ladies' Shalwar Suits, Trousers, Dress Shirts & Jackets
Since 1949
Snowhite
DRYCLEANERS
Largest Cleaning Network ... COUNTRYWIDE!
Brands Award
Web: www.snowhite.com.pk
Tel: 021-38682810

Monthly
ISHRAQ
Lahore

August 2017
Vol.29 No.8
Regd. No. CPL- 183

Publisher : Javed Ahmad Ghamidi Printers : Qaumi Press, 50 Lower Mall Lahore